اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

اِنقلابِ حقیقی

آج جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ عجیب نوعیت کا ہے۔ یعنی ایسا ہے کہ اگر چاہوں تو ایک فقرہ کہہ کر بیٹھ جاؤں اور مضمون ختم ہو جائے۔ اور اگر چاہوں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو کئی دن بارہ بارہ گھنٹے تقریریں ہوتی رہیں مگر یہ مضمون ختم نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں چار پانچ گھنٹے میں ایک حد تک اس مضمون کو بیان کر دوں۔ سو وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس آخری اور وسطی طریق کو ہی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ ۔

قومی زندگی کے قیام کے اصول

سب سے پہلے میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جماعت کو یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ دو اصول ایسے ہیں جو دنیا میں ہمیشہ سے کار فرما ہیں۔ اور قومی زندگی کبھی ان دو اصول کے بغیر قائم نہیں رہتی۔ آدم سے لے کر اس وقت تک دینی کیا اور دنیوی کیا۔ عقلی کیا اور علمی و عملی کیا۔ کوئی تحریک ایسی نہیں جو حقیقی طور پر اس وقت تک کامیاب ہوئی ہو جب تک کہ یہ دو باتیں اس کے ساتھ شامل نہ ہوں۔

ہر تحریک کے ساتھ ایک [illegible] کی ضرورت

اوّل اصول یہ ہے کہ کوئی تحریک دنیا میں حقیقی طور پر کامیاب

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ــــ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّــــاصِرُ

انقلابِ حقیقی

آج جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ عجیب نوعیت کا ہے۔ یعنی ایسا ہے کہ اگر چاہوں تو ایک فقرہ کہہ کر بیٹھ جاؤں اور مضمون ختم ہو جائے۔ اور اگر چاہوں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو کئی دن بارہ بارہ گھنٹے تقریریں ہوتی رہیں مگر یہ مضمون ختم نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں چار پانچ گھنٹے میں ایک حد تک اس مضمون کو بیان کردوں۔ سو وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں اِس آخری اور وسطی طریق کو ہی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ ۔

قومی زندگی کے قیام کے دو اصول

سب سے پہلے میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جماعت کو یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ دو اصول ایسے ہیں جو دُنیا میں ہمیشہ سے کارفرما ہیں۔ اور قومی زندگی کبھی ان دو اصول کے بغیر قائم نہیں رہتی۔ آدم سے لے کر اِس وقت تک دینی کیا اور دنیوی کیا عقلی کیا اور علمی و عملی کیا۔ کوئی تحریک ایسی نہیں جو حقیقی طور پر اِس وقت تک کامیاب ہوئی ہو جب تک کہ یہ دو باتیں اس کے ساتھ شامل نہ ہوں ۔

ہر تحریک کے ساتھ [illegible]

سے قائم تھا اور انہی سے اس قسم کی باتیں سُن کر کولمبس کو امریکہ کی دریافت کا خیال پیدا ہُوا تھا کیونکہ کولمبس کسی مسلمان کا شاگرد تھا۔ اور وہ مسلمان حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے مرید تھے۔ جنھوں نے اپنے بعض رؤیا و کشوف کی بناء پر اپنی کتابوں میں یہ لکھا تھا کہ سپین کے سمندر کے دوسری طرف ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں میں زمین کے گول ہونے کا خیال جڑ پکڑ رہا تھا۔ حضرت محی الدین ابن عربی کے مرید خیال کرتے تھے کہ غالبًا ہندوستان ہی کی طرف آپ کے کشف میں اشارہ ہے۔ کولمبس نے ان روایات کو سُنا تو اس کے دل میں جوش پیدا ہُوا کہ وہ اس سمندر کی طرف سے ہندوستان پُہنچے۔ مگر چونکہ اس سفر کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اور روپیہ کولمبس کے پاس تھا نہیں۔ اس لئے اُس نے بادشاہ کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ اور ملکہ کے پاس بھی بعض بڑے آدمیوں کی سفارش پُہنچائی تا ملکہ بادشاہ پر اپنا اثر ڈالے۔ ملکہ کو یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے خیال کیا کہ اگر اس مہم میں کامیابی ہوئی تو ہمارے مُلک کو بہت فائدہ پُہنچے گا۔ پس اس نے بادشاہ کے پاس سفارش کرنے کا وعدہ کیا اور سفارش کی بھی۔ لیکن جب بادشاہ نے اُمرائے دربار سے مشورہ کیا تو پوپ کے نمائندہ نے اس خیال کی سخت تضحیک کی۔ اور اس نے کہا کہ یہ خیال کہ زمین گول ہے سخت احمقانہ ہے بلکہ مذہب کے خلاف ہے۔ اور ایسے احمق اور بیوقوف کو روپیہ دینا علم سے دشمنی ہے۔ اس نے ایک پُرزور تقریر کے ذریعہ سے کولمبس کے خیال کی تغلیط کی اور بتایا کہ کولمبس یا خود پاگل ہے یا ہمیں پاگل بنانا چاہتا ہے۔ اگر زمین گول ہے اور ہندوستان ہماری دُنیا کے دوسری طرف ہے تو اسکے تو یہ معنے ہوں گے کہ کرۂ ارض کے دوسری طرف کے لوگ ہوا میں لٹک رہے ہیں۔ پس کولمبس یہ کہہ کر کہ زمین گول ہے ہم سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ دُنیا کا ایک حصّہ ایسا بھی ہے جس میں بسنے والے لوگوں کی ٹانگیں اوپر ہیں اور سر نیچے ہیں۔ اس حصّہ میں جو درخت اُگتے

کہ وہ یقیناً دُنیا کے لئے کوئی ایسا پیغام لاتی ہے جو مفید ہے۔ اور یہ خیال کہ ایک کذّاب اور مفتری بھی ایسا پیغام لاسکتا ہے جو لوگوں کے لئے دینی رنگ میں مفید ہو۔ اور دُنیا میں قائم رہے۔ کسی احمق کے ذہن میں ہی آئے تو آئے۔ کوئی دانا ایسا خیال نہیں کرسکتا +

اصلاح کا ذریعہ صلح یا جنگ ہے

دوسرا اصل جو دُنیا میں رائج ہے اور جو مذہبی اور دنیوی دونوں قسم کی تحریکوں کی کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے یہ ہے کہ اصلاح کے ہمیشہ دو ذرائع ہوتے ہیں یا صلح۔ یا جنگ۔ یعنی یا تو صلح کے ساتھ وہ پیغام پھیلتا ہے یا جنگ اور لڑائی کے ساتھ پھیلتا ہے۔ یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ باتیں دُنیا میں پھیلا دی جاتی ہیں لوگ ان پر بحثیں کرتے ہیں۔ اور آخر لوگ انہیں اپنا لیتے ہیں اور اپنے عقائد میں شامل کرلیتے ہیں جیسے دُنیا میں پہلے لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔ بلکہ اب تک بھی بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو زمین کو گول نہیں سمجھتے بلکہ چپٹی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں ایک دفعہ لاہور گیا۔ اور اسلامیہ کالج کے ہال میں میں نے لیکچر دینا شروع کیا تو ایک شخص میرے لیکچر میں ہی کھڑا ہوگیا۔ اور کہنے لگا۔ سوال جواب کا بھی موقع دیا جائے گا یا نہیں؟ پریزیڈنٹ نے پوچھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔ اور مجھ سے اس بات پر بحث کرلی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اس لیکچر میں زمین کے گول یا چپٹے ہونے کا ذکر نہیں۔ وہ کہنے لگا۔ ہو یا نہ ہو۔ ایسی اہم بات کا ذکر کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے؟

غرض اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں مگر بہت کم۔ لیکن پہلے زمانہ میں سوائے مسلمانوں کے قریباً سب لوگ یہی کہا کرتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔ مسلمانوں میں البتہ زمین کے گول ہونے کا خیال رائج تھا۔ اور یورپ کے لوگ اسکے مخالف تھے۔ چنانچہ جس وقت زمین کے گول ہونے کا سوال اُٹھا۔ یورپ کے لوگوں نے اس کا نہایت سختی سے انکار کیا۔ اور اس کی مخالفت کی۔ مگر مسلمانوں میں یہ خیال دیر

ایک شخص بات کرتا ہے اور وہ مکہ میں پہنچ جاتی ہے یہ محض شیطان کی شعبدہ بازی ہے وہ سخت گھبرایا کہ اب میں کیا کروں۔ آخر ایک شخص نے کہا کہ ان لوگوں کو میں سمجھا دیتا ہوں۔ چنانچہ ٹیلیفون پہ ایک طرف اس نے عربوں کے اس لیڈر کو کھڑا کیا جو کہا کرتا تھا کہ شیطان بولتا ہے اور دوسری طرف خود کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے پوچھا کہ بتاؤ حدیث میں آتا ہے یا نہیں کہ لاحول سے شیطان بھاگ جاتا ہے اس نے کہا آتا ہے پھر اس نے پوچھا کہ اگر کوئی حدیث کا منکر ہو تو وہ کیسا ہے؟ وہ کہنے لگا کافر۔ اُس نے کہا۔ اچھا سنو! میں لاحول پڑھتا ہوں۔ اور یہ کہکر لاحول پڑھا۔ اور اس معترض مولوی سے کہا کہ اب بتاؤ کہ کیا شیطان یہ لاحول دوسری طرف پہنچا رہا ہے؟ شیطان کو کہاں طاقت کہ وُہ لاحول کو پہنچائے۔ وُہ تو لاحول سُنتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ یہ بات اس معترض کی سمجھ میں بھی آگئی اور اس نے لوگوں کو بھی سمجھا دیا کہ یہ شیطان نہیں ہے کوئی اور چیز ہے ؏

غرض کئی تحریکات دنیا میں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ ان کی مخالفتیں کرتے ہیں۔ مگر آہستہ آہستہ وہ دنیا میں قائم ہو جاتی ہیں۔ اور پہلے نظام میں اپنے لئے بھی جگہ نکال لیتی ہیں۔ لیکن بعض ایسی تحریکات ہوتی ہیں جو پہلے نظام کو کلیتہً بدل دیتی ہیں۔ اور وہ صلح کرکے پہلے نظام کا حصہ نہیں بنتیں بلکہ ایک نیا نظام قائم کرتی ہیں اور پہلے نظام یا نظاموں کو توڑ دیتی ہیں۔ ان کے لئے لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ جنگیں کی جاتی ہیں (خواہ جسمانی رنگ میں۔ خواہ روحانی رنگ میں) اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے دنیا کا امن جاتا رہا مگر آخر اس لڑائی اور جنگ کے بعد وہ دنیا میں قائم ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے ذریعہ سے دنیا میں پھر امن کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے ٹیلیفون کے واقعہ کی مناسبت میں مجھے نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر نے بھی بتایا ہے کہ حیدر آباد کی مسجد میں لاؤڈ سپیکر لگایا گیا تو لوگوں نے کُفر کا فتویٰ دے دیا۔ ہمارے یہاں عورتوں کی جلسہ گاہ میں بھی کل لاؤڈ سپیکر پر فتویٰ لگ گیا تھا۔ بعض عورتیں سٹیج کے قریب آنا چاہتی تھیں اس پر انہیں منتظمات جلسہ نے بتایا کہ اب قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ جو آلہ لگایا گیا ہے اس سے ہر جگہ آواز پہنچ جائیگی۔ اس پر وہ کہنے لگیں "ساڈوں تہاڈے فریب

ہیں ان کی جڑیں اوپر ہوتی ہیں اور درخت ہوا میں لٹک رہے ہوتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ بارش اُوپر سے نیچے گرے اس علاقہ میں نیچے سے اُوپر کی طرف بارش گرتی ہے۔ اور سورج زمین کے اُوپر نہیں ہے بلکہ اس علاقہ میں زمین کے نیچے نظر آتا ہے ۞

غرض اس پادری نے اپنے جاہلانہ خیالات کو ایسی رنگ آمیزی سے بیان کیا کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ کولمبس دھوکہ باز شخص ہے۔ اور دربار نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ اس شخص کی ہرگز مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ اور کولمبس کا سفر ایک لمبے عرصہ تک کیلئے ملتوی ہو گیا۔ آخر ملکہ نے اپنی ذاتی آمد سے اُسے روپیہ دِلوایا۔ اور کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔ جس سے سپین والوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچا ۞

غرض ایک وہ زمانہ تھا کہ بڑے بڑے عقلمند یہ تسلیم نہیں کرتے تھے کہ زمین گول ہے۔ اور اس پر ہنستے تھے۔ لیکن آج بچوں سے بھی پوچھو تو وہ کہدیں گے کہ زمین گول ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب جہاز نظر آتا ہے تو پہلے اس کے اُوپر کا حصہ نظر آتا ہے۔ پھر نیچے کا۔ اور اسی طرح کی کئی اَور دلیلیں دیتے جائیں گے۔ غرض اب دنیا نے اس عقیدہ کو اپنا لیا ہے۔ اور یہ بات رائج ہو گئی ہے ۞

تو بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ دنیا میں مقبول ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ تو اس طرح کہ پہلی بعض چیزوں کو منسوخ کر کے وہ قائم ہو جاتی ہیں۔ اور بعض دفعہ اس طرح کہ پہلی بھی موجود رہتی ہیں اور نئی بھی اپنی جگہ پیدا کر لیتی ہیں۔ جیسے موٹریں اور لاریاں آئیں تو گھوڑے بھی رہے۔ مگر موٹروں اور لاریوں نے بھی اپنی جگہ بنا لی ۞

شروع شروع میں جب ریل جاری ہوئی ہے تو انگلستان میں لوگ ریل کے آگے لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مر جائینگے پر اِسے چلنے نہیں دینگے۔ مگر آخر ریل دنیا میں رائج ہو گئی۔ ٹیلیفون جب مکّہ میں لگا تو عربوں نے کہدیا کہ یہ شیطان ہے جو مکّہ میں لایا گیا ہے۔ اور ابن سعود کی اس قدر مخالفت ہوئی کہ اس کی فوجیں باغی ہونے لگیں۔ آخر اُس نے پوچھا کہ یہ شیطان کس طرح ہو گیا؟ وہ کہنے لگے شیطان نہیں تو اور کیا ہے۔ جدہ میں

ہو چکا ہے +

انقلاب کے معنی

بہر حال انقلاب کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ موجودہ نظام کو کسی : صدقہ یا تبدیلی کے ساتھ قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس نظام کو کلی طور پر پھینک دیا جائیگا توڑ دیا جائے گا۔ تباہ کر دیا جائے گا۔ اور اسکی جگہ ایک نیا نظام قائم کیا جائے گا +

انقلاب کے دوسرے نام

جب یہ انقلاب دینی انقلاب ہو تو اسلامی اصطلاح میں اسے قیامت بھی کہتے ہیں۔ اور اس کا ایک نام خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بھی ہے۔ یعنی نئی زمین اور نیا آسمان بننا۔ اور ایک نام اس کا اَلسَّاعَةُ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے روحانی انقلاب کو کبھی قیامت کہا ہے۔ کبھی الساعۃ کے نام سے یاد کیا ہے اور کبھی نئی زمین اور نئے آسمان کے پیدا کئے جانے کے الفاظ سے اسکی حقیقت کو ظاہر کیا ہے +

دُنیا میں جس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں یا کامیاب تحریکیں ہوئی ہیں ساری اسی رنگ میں ہوئی ہیں۔ اور کوئی عالمگیر تحریک اور دیر تک رہنے والی تحریک ایسی نہیں جس میں دُنیا کے لئے پیغام جدید نہ ہو اور جس میں انقلاب نہ ہو +

ارتقائی تحریکات عظیم الشّان تحریکوں میں سے نہیں ہوتیں۔ عظیم الشان تحریکیں جب بھی دُنیا میں ہوئی ہیں۔ انقلاب کے ذریعہ سے ہوئی ہیں۔ اور اگر اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم کانگرس سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انقلاب زندہ باد۔ لیکن اس سے ہماری مُراد اور ہوگی۔ انکی مُراد اس لفظ سے اور ہوتی ہے +

پانچ عظیم الشّان دُنیوی تحریکیں

اگر دنیوی فتوحات کو دیکھیں تو فتوحات دنیوی کے لحاظ سے بھی وہی حکومتیں دُنیا میں دیر تک رہی ہیں اور اُن کا اثر وسیع ہوا ہے جن میں کوئی نہ کوئی پیغام جدید اور انقلاب تھا۔ یعنی پہلے نظام سے جُدا گانہ حیثیت رکھتی تھیں۔ اور نئے اصول پر قائم ہوئی تھیں۔ اس قسم کی تحریکیں دُنیا میں چند ہی گزری ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک تحریک جو ہندوستان میں اٹھی۔ ایرین تحریک کہلاتی ہے۔ یعنی آریوں کی تحریک۔ یہ تحریک صرف ہندوستان تک ہی محدود

دا پتہ نہیں؟ اسیں ایڈیاں ای بیوقوف ہاں۔ بھلا ایہہ دھوتوں بولے گا؟" یعنی کیا ہمیں تمہارے فریب کا علم نہیں۔ ہم اتنی بیوقوف نہیں کہ یہ خیال کرلیں کہ یہ ٹین کا پرزہ بولیگا گویا انھوں نے اپنی علمیت کی دلیل یہ دی کہ ہم خوب جانتی ہیں یہ ٹین سا جو لگا ہؤا ہے یہ نہیں بول سکتا۔ یہ محض اپنی واقف عورتوں کو آگے بٹھانے کے لئے بہانہ بنایا گیا ہے +

دوستوں کو چاہیئے کہ وہ گھروں میں جاکر اپنی بیویوں کو سمجھا دیں۔ کہ یہ ٹین کا پرزہ خوب بولا کرتا ہے۔ کل مستورات نے خوب کشتی کی۔ اور بعض تو پہرہ دار عورتوں کو گراکر آگے آگئیں۔ اور کہا کہ ہم ایسے فریب میں نہیں آسکتیں۔ وہ ان کو سمجھا دیں کہ یہ ہمارا فریب نہیں بلکہ یورپ والوں کا کارآمد فریب ہے۔ جس سے واقعہ میں آواز دُور دُور تک پہنچ جاتی ہے +

غرض اصلاح کے دو ذریعے ہیں۔ صلح اور جنگ۔ یعنی یا تو نئی تحریک کو پُورانی تحریک کے ساتھ سمو کر اور ملاکر ایک نیا وجود بنا دیا جاتا ہے۔ اور دونو تحریکیں ایک تحریک ہوکر رہ جاتی ہیں اور یا پھر نئی اور پُرانی تحریک میں جنگ ہوکر نئی تحریک پُرانی کو اُکھیڑ کر پھینک دیتی ہے۔ اور اپنی حکومت قائم کر لیتی ہے۔ اوّل قسم کی اصلاح ارتقا کہلاتی ہے۔ یعنی سہولت سے تغیّر ہو جاتا ہے اور لوگوں کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ مگر دوسری قسم کی تحریک جس میں لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ اسے عربی زبان میں انقلاب کہتے ہیں۔ جیسے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کی مجالس میں نعرے لگائے جاتے ہیں کہ "انقلاب زندہ باد" یہ بھی وہی انقلاب ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ موجودہ گورنمنٹ سے کانگرس کو اتنا اختلاف ہے کہ وہ اسے توڑ کر کلّی طور پر ایک نئی گورنمنٹ بنائے گی اور وہ کوئی درمیانی راستہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ گو عملی طور پر کانگرس سب کچھ مان گئی ہے اور کئی صوبوں میں اس نے وزارتیں بھی سنبھال لی ہیں۔ اب صرف عادت کے طور پر انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ جیسے طوطے کو میاں مٹھو کہنے کی عادت ہوتی ہے۔ ورنہ کانگرس کے لئے انقلاب کا زمانہ ختم

کہ اس تہذیب کا جھنڈا ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں آ گیا۔ بعض دفعہ جھنڈے کا رنگ تھوڑا سا تبدیل کر دیا گیا۔ بعض دفعہ جھنڈے کو زیادہ لمبا یا چھوٹا کر دیا گیا مگر حقیقت وہی رہی جو پہلے تھی +

رومن امپائر کے بعد کے تغیرات جو مغرب میں ہوئے اگر دیکھا جائے تو رومن تہذیب کی تبدیل شدہ صورت ہی تھے۔ اور ایرانی تہذیب کے بانیوں کے بعد کی حکومتوں میں صاف ابتدائی ایرانی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ آرین بانیانِ تہذیب کے بعد بدھ جین وغیرہ کئی قسم کے لوگوں نے حکومتیں کیں۔ لیکن آرین ٹھپہ سب کے دامن پر موجود تھا۔ بابل کی حکومت کے بعد عرب۔ شام۔ مصر۔ وغیرہ ممالک میں کئی حکومتیں تبدیل ہوئیں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ لیکن بابلی اثر نہ مٹنا تھا نہ مٹا +

اب مغربی تہذیب دُنیا پر غالب ہے۔ ایشیا اور افریقہ اس کے جوئے سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے امریکہ کے دونوں برّاعظم کامیاب کوشش کر چکے ہیں۔ جاپان ایشیا کے ایک طرف۔ اور تُرکی دوسری طرف کامیاب کوشش کر چکے ہیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہُوا ہے؟ صرف حاکم بدلے ہیں حکومت نہیں بدلی بلکہ ترک اور جاپانی تو آزادی کے بعد مغربیت کے پہلے سے بھی زیادہ شکار ہو گئے ہیں +

آج ہندوستان آزادی کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اسکے نوجوان اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لئے کھڑے ہیں۔ تا اپنے ملک کو بیرونی حکومت سے آزاد کرا دیں۔ لیکن ان کی جد و جہد اسی حد تک محدود ہے کہ انگلستان کے مغربی کی جگہ ہندوستان کا مغربی لے لے۔ اس سے زیادہ اس جد و جہد میں کوئی مقصد نہیں۔ مسٹر گاندھی نے کھدر کا لباس پہنکر اس امر کا اظہار کرنا چاہا ہے کہ گویا وہ اس تہذیب کے اثر سے آزاد ہونا چاہتے ہیں لیکن حقیقت سے واقف جانتے ہیں کہ ڈھانچہ وہی ہے۔ صرف سکاٹلینڈ کے ورسٹڈ کی جگہ اسے کھدّر کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔ یا بقول مسیح پُرانی شراب نئے

نہیں تھی بلکہ یورپ پر بھی اُس کا اثر تھا۔ دوسری تحریک جو مغرب میں اُٹھی۔ رومن تحریک تھی۔ تیسری تحریک جو وسط ایشیا اور چین میں پیدا ہوئی اس کا نام میں ایرانی تحریک رکھتا ہوں۔ چوتھی تحریک جو مغربی ایشیا اور افریقہ میں پیدا ہوئی اس کا نام میں بابلی تحریک رکھتا ہوں۔ اور پانچویں تحریک جو موجودہ زمانہ میں نہایت ہی عالمگیر ہے وہ ہے جسے مغربی تحریک کہتے ہیں +

دُنیا کی معلومہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی پانچ تحریکیں مادیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہایت مہتم بالشان اور عالمگیر تحریکیں گزری ہیں۔ یعنی آرین تحریک۔ رومن تحریک۔ ایرانی تحریک۔ بابلی تحریک اور مغربی تحریک۔ ان پانچوں تحریکوں کے پیچھے ایک نیا فلسفہ تھا اور ایک نئی تہذیب تھی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ بعض قوموں نے تلواریں پکڑیں اور چند مُلک فتح کر لئے۔ بلکہ ان تحریکات کے بانیوں نے اپنے سے پہلے نظام کو تہ و بالا کر دیا اور ان کی جگہ ایک جدید تہذیب کی بُنیاد ڈالی یا نئے علوم کا دروازہ کھولا۔ اور گو اِن نئی تحریکوں کے بانی کچھ عرصہ بعد سیاسی طور پر حکومت کھو بیٹھے اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔ مگر ان کو شکست دینے والے اور تباہ کرنے والے ان کے خیالات اور ان کے فلسفہ سے آزاد نہیں ہوسکے۔ سیاسی غلامی جاتی رہی مگر ذہنی اور علمی غلامی قائم رہی۔ اور حقیقی حکومت انہی کی رہی۔ اور اسی فتح اور کامیابی کو پیغام جدید یا اِنقلاب کے نام سے پُکارا جاتا ہے۔ بظاہر آرین اور قدیم ایرانی اور رومن اور بابلی حکومتیں کچھ عرصہ کے بعد دُنیا سے مٹ گئیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کسی نہ کسی رنگ میں اب تک بھی دُنیا میں موجود ہیں۔ اور بظاہر ان سے نفرت کرنے والے لوگ بھی حقیقتہً ان کی غلامی کا جُوآ گردنوں پر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ اور انکے بعد میں آنے والی حکومتیں درحقیقت عُمّال کی تبدیلی کا ایک مظاہرہ تھیں۔ ورنہ اصولِ حکومت وہی تھے جو اُن مشہور تحریکات نے جاری کئے تھے۔ بغاوت اس تہذیب کے آخری زمانہ کے علمبرداروں کے خلاف تھی اس تہذیب کے خلاف نہ تھی۔ جو تبدیلی ہوئی وہ یہی تھی

قوم جسے نسلی امتیاز کی وجہ سے برتری حاصل ہوگی۔ آپس ہی میں شادیاں کریگی۔ تو وہ دُنیا سے کبھی مٹ نہیں سکے گی۔ اس لئے ان کا مذہب بھی اسی تحریک کے ماتحت چلتا ہے مثلاً وید آئے تو انھوں نے یہ حکم دے دیا کہ اگر شودر وید کو سُن بھی لے تو اسکے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ یہ برہمن کا حق ہے کہ وہ وید سُنے۔ یا کھتری اور ویش کا حق ہے کہ وید سُنے۔ شودر کا کیا حق ہے کہ وید سُنے۔ گویا ان کے مذہب میں بھی یہی تحریک شامل ہوگئی +

پھر یہ جو وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان دُنیا میں واپس آتا ہے اور مختلف جُونوں میں ڈالا جاتا ہے۔ جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے یہ عقیدہ بھی اسی فلسفہ کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ نسل کے درجہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اعلیٰ رُوحیں اس میں شامل ہوتی رہیں۔ اور اس کا طریق انھوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہر قوم میں جو اعلیٰ اور نیک رُوحیں ہیں وہ مرنے کے بعد براہمن کے گھر جنم لیتی ہیں اور جو سپاہیانہ طاقت رکھتی ہیں وہ کھتریوں کے ہاں۔ اور جو تاجرانہ لیاقت رکھتی ہیں وہ ویش کے ہاں جنم لیتی ہیں۔ اور جو خراب اور ناکارہ ہیں وہ شودروں کے ہاں جنم لیتی ہیں۔ اس عقیدہ سے انھوں نے ادنیٰ اقوام کی بغاوت کے امکان کو دُور کر دیا۔ کیونکہ اگر شودروں کو یہ کہا جاتا کہ تم ہمیشہ کے لئے شودر ہی رہو گے تو ممکن تھا کہ وہ بغاوت کرتے۔ یا اگر کھتریوں کو کہا جاتا کہ تمہارا کام صرف جان دینا ہے تو وہ برہمن حکومت کے خلاف کھڑے ہو جاتے پس انہیں اس عقیدہ کے ذریعہ سے خاموش کرا دیا گیا تاکہ وہ لوگ برہمن فوقیت کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرلیں۔ کیونکہ انھیں یقین دلا دیا گیا کہ درحقیقت برہمن یا کھتری یا ویش یا شودر ایک نسل نہیں ہیں بلکہ یہ تو عہدے ہیں جو اچھی یا بُری رُوحوں کو ملتے ہیں اب جس طرح ایک جمعدار کو ایک رسالدار کے خلاف۔ ایک رسالدار کو ایک لفٹنٹ کے خلاف شکوہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے بوجہ لیاقت یہ عہدہ ملا ہے۔ اور جب میں لیاقت دکھاؤں گا تو یہ عہدہ مجھے بھی مل جائے گا۔ اسی طرح ایک شودر کو ویش کے

سکوں میں بانٹ دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ کوئی تغیر نہیں ہوا +

اب میں ان پانچوں تحریکوں کی کسی قدر تفصیل بیان کرتا ہوں تا کہ آپ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ پانچ دَور تہذیب کے دُنیا کے لئے کیا پیغام لائے تھے اور کیا مفید چیز انہوں نے دُنیا کو دی تھی جس سے وہ سینکڑوں ہزاروں سال کی جدو جہد کے بعد بھی آزاد نہیں ہو سکی +

آرین تحریک کا پیغام جدید۔ نسلی امتیاز

یاد رکھنا چاہیئے کہ آرین تہذیب کی بُنیاد یوجینکس پر تھی یعنی ان کی ساری بنیاد اس امر پر تھی کہ سب انسان یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ انسانوں انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔کوئی اعلیٰ ہوتا ہے تو کوئی ادنےٰ۔ جیسے کوئی امیر ہوتا ہے تو کوئی غریب۔کوئی مضبوط ہوتا ہے تو کوئی کمزور۔کوئی اچھے دماغ کا کوئی بُرے دماغ کا۔ اور یہ کہ اس فرق کو خاص حالات کے ماتحت پائدار بنایا جا سکتا ہے۔ اور دُنیا کا فائدہ اسی میں ہے کہ انسانوں میں سے جو اعلیٰ ہوں انہیں آگے کیا جائے تا کہ نسل انسانی اعلیٰ کمالات تک پہنچ سکے +

وہ کہتے ہیں کہ ایک مضبوط باپ کا بیٹا ضرور مضبوط ہوگا۔اور کمزور باپ کا بیٹا کمزور ہوگا۔ اب اگر باپ کی وجہ سے جسم اعلیٰ بن سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ دماغ اعلےٰ نہ بنے؟ پس اگر اچھے دماغ والا باپ ہوگا اور اچھے دماغ والی ماں ہوگی تو ان کا بیٹا بھی یقیناً اچھے دماغ والا ہوگا۔ اس صورت میں اگر اس شخص سے جو نسل چلے۔ وہ ہمیشہ اپنی قوم میں ہی شادیاں کرتی رہے تو ان کی قوم دوسری اقوام سے ضرور اعلیٰ ہوگی +

یہ آرین تہذیب جہاں بھی گئی ہے۔ اس نے اپنی حکومت کو اسی بُنیاد پر رکھا ہے یعنی اس نسلی امتیاز پر جو عقلی اور دماغی اور مذہبی دائروں پر حاوی تھا۔چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ایک برہمن کا لڑکا علم کے لحاظ سے ہمیشہ دوسروں پر فوقیت رکھے گا ایک کھتری کا لڑکا سپہ گری کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھے گا۔ اور جب ایک

اب تک مغرب میں پڑھایا جاتا ہے۔ اور اس کے اصول سے آج بھی قانون دان فائدہ اٹھا رہے ہیں +

ایرانی تہذیب کا پیغام اخلاق و سیاست۔

(۳) ایرانی تہذیب کی بُنیاد اخلاق اور سیاست پر ہے۔ اسی وجہ سے ان میں خدا تعالےٰ کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ خدا تعالےٰ کے لئے ممکن نہیں کہ وہ گناہ جیسی گندی شئے کو پیدا کرے۔ اس لئے در اصل دو خدا ہیں۔ ایک نیکی کا اور ایک بدی کا۔ گویا اخلاق کو انھوں نے اتنی اہمیت دی کہ ان کے لئے یہ امر ناقابل تسلیم ہوگیا۔ کہ ایک غیر اخلاقی امر کی پیدایش اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جائے۔ لیکن چونکہ گناہ دُنیا میں موجود تھا۔ انہوں نے یہ فلسفہ ایجاد کیا کہ گناہ کا پیدا کرنے والا کوئی اور خدا ہونا چاہیئے جو قابلِ پرستش نہیں بلکہ قابلِ نفرت ہو +

دوسرا فلسفہ جس پر ایرانی تہذیب کی بُنیاد تھی۔ تعاونِ باہمی کا فلسفہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی تہذیب نے پہلے پہلے اُس خیال کی بُنیاد رکھی جسے ایمپائر یا شہنشاہیت کہتے ہیں۔ یعنی سب سے پہلے اسی نظام نے باہمی تعلق رکھنے والی آزاد حکومتوں کے اصول کو ایجاد کیا۔ اور اسے تکمیل تک پہنچایا +

درحقیقت یہ خیال بھی ثانویت کے عقیدہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ جب انھوں نے یہ تسلیم کیا۔ کہ دو خدا ہیں جو آزاد بھی ہیں لیکن پھر ایک دوسرے سے بڑا بھی ہے تو اس کے ماتحت انھوں نے دنیا میں بھی ایسا نظام ایجاد کیا کہ ایک بڑا بادشاہ ہو اور بعض اس سے چھوٹے بادشاہ ہوں جو آزاد بھی ہوں اور پھر ایک بالا طاقت کے ماتحت بھی ہوں اور اسی عقیدہ سے شہنشاہیت کے خیال کو نشو و نما حاصل ہوئی +

ہندوستان یا دوسرے ممالک میں اسکی مثال نہیں پائی جاتی کہ ایک زبردست بادشاہ ایک کمزور اور چھوٹے سے بادشاہ کی اس لئے اطاعت کرتا ہے کہ وہ کمزور بادشاہ اس کا شاہنشاہ ہے۔ یہ صرف ایرانی فلسفہ کی ایجاد ہے۔ اور اس سے درحقیقت امن کے قیام کے لئے ایک نیا راستہ کھولا گیا ہے +

ایرانی تاریخ میں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ اصل بادشاہ کمزور ہوگیا ہے اور ماتحت

ایک ویش کو کھتری کے اور ایک کھتری کو ایک برہمن کے خلاف شکوہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جنم تو گذشتہ اعمال کے نتیجہ میں ملے ہیں۔ اگر ایک شودر اچھے اعمال کرے گا تو اگلے جنم میں وہ برہمن کے گھر پیدا ہو جائے گا۔ اور خراب برہمن شودر کے گھر پیدا ہوگا +

اس طرح تفوق کو قائم رکھتے ہوئے بھی آرین تہذیب کے بانیوں نے اس تفوق کے خلاف بغاوت کے امکانات کو مٹا دیا۔ اور ایک خیالی امید دوسری قوموں کے دلوں میں ایسی پیدا کر دی۔ کہ وہ اس کھلونے کے ساتھ کھیلنے میں مشغول رہے۔ اور اپنے حقیقی درد اور دُکھ کو بالکل بھول گئے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود انتہا سے بڑھے ہوئے نسلی ظلم کے ہزاروں سال سے ادنیٰ کہلانے والی اقوام اپنی حالت پر قانع ہیں۔ کیونکہ تناسخ نے ہر شودر کی نگاہ میں اسکی نسلی تذلیل کا زمانہ صرف اسکی موجودہ جون کے زمانہ میں محدود کر دیا۔ اور ہر شودر جس کے دل میں موجودہ نظام کے خلاف بغاوت کے خیالات اُٹھتے ہیں یہ خیال کرکے خاموش ہو جاتا ہے کہ مَیں اِس جون میں اپنے گناہوں کی وجہ سے آیا ہوں۔ ورنہ شاید میں بھی پہلے برہمن ہی تھا۔ اور اب برہمنوں کو خوش کرکے شاید آیندہ زمانہ میں مَیں بھی برہمن بن جاؤں گا۔ پس جس رتبہ کے حصول کی امید مجھے لگی ہوئی ہے مَیں اپنے ہاتھوں اس رتبہ کی عزت کم کرکے کیوں اپنی آیندہ ترقی کے امکانات کو کم کروں +

حقیقت یہ ہے کہ نسلی تفوق کی حفاظت کے لئے تناسخ کے مسئلہ کی ایجاد ایک اعلیٰ دماغ کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اور اگر اسکی وجہ سے کروڑوں بنی نوع انسان کو ہزاروں سال کی غلامی میں مبتلا نہ کر دیا گیا ہوتا تو یقیناً اس قابل تھا کہ اسکی داد دی جاتی +

رومن تہذیب کی بُنیاد قانون اور حقوقِ انسانی

(۲) رومن تہذیب کی بُنیاد قانون پر اور انسانی حقوق پر تھی۔ چنانچہ اس تہذیب کے علمبرداروں نے اول اول انسانی حقوق کو تسلیم کیا۔ اور ایسی بنیاد رکھی کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو قانون کے ماتحت دی جائے اس طرح وہ سیاست کو قانون کے ماتحت لائے۔ اور انھوں نے ایسے اصول بنائے۔ جن سے ایک نظام کے ماتحت انسانوں پر حکومت کی جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ رومن لاء

اندر آزاد تھے اور پھر ایک سردار کے ماتحت تھے۔ تمام ایرانی حکومتوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ یہ حکومت در حکومت کا احساس ان کے اندر آہرمن اور یزدان کے خیال سے پیدا ہوا +

بابلی تحریک کیمسٹری اور ہیئت پر مبنی تھی اور اس وجہ سے تعمیر اور تنظیم میں اسے خاص شغف تھا۔ اور گو یہ تحریک سب سے پرانی ہے اور اس کے آثار کم ملتے ہیں۔ لیکن جتنے آثار بھی اس کے ملتے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں +

بابلی تحریک کے آثار قرآن کریم میں

قرآن کریم میں بھی اس تحریک کی بعض شاخوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝

اس تہذیب کی بنیاد جن لوگوں نے رکھی تھی انھیں عاد کہتے ہیں۔ عاد نام کی دو قومیں گذری ہیں۔ عاد اول تہذیب بابلی کے بانی تھے اور دوسرے عاد بعد کے زمانہ میں اس تہذیب کے حاملوں میں سے ایک حامل تھے۔ اِس آیت میں انہی پہلے عاد یعنے بانیانِ تہذیبِ بابلی کا ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے عاد سے کیا سلوک کیا؟ وہ عاد جو عاد اِرم کہلاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی اونچی عمارتیں بنانے والے تھے اتنی بڑی اونچی عمارتیں بناتے تھے کہ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۔ انکے بعد کی کوئی قوم بھی اس فن میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ یعنی گو عام طور پر دُنیا ترقی کرتی ہے۔ لیکن باوجود ترقی کے زمانۂ قرآن کریم تک کوئی قوم فن عمارت میں عاد کے کمال تک نہیں پہنچ سکی +

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ پھر اسی عاد کی ایک دوسری شاخ ثمود تھی جس نے سنگ تراشی میں کمال کیا تھا۔ اور شہروں کے شہر پہاڑوں کی کھوہ میں بناتے چلے گئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض جگہ انھوں نے پتھر کاٹ کاٹ کر عجیب و غریب محل بنائے ہیں +

بادشاہ بہت طاقت پکڑ گئے ہیں۔ لیکن شہنشاہ کی آواز پر سب امداد کے لئے موجود ہو گئے ہیں۔ آج کی برطانوی ایمپائر اور آخری زمانہ کی خلافت عباسیہ درحقیقت [illegible] نہیں تھیں۔ اور خلافت عباسیہ کے آخری دَور کو اگر ہم غور سے دیکھیں تو اس کے وجود کی بُنیاد اس امر پر تھی کہ درحقیقت اس کے تابع حکومتیں یا ایرانی تھیں یا ایرانی تہذیب کی خوشہ چین تھیں اور چونکہ ان کے رؤساء اس خیال کے نسلی طور پر قائل چلے آتے تھے اس لئے باوجود طاقتور ہونے کے وہ خلافت کے برائے نام جوئے کو اُٹھائے ہوئے تھے۔

بابلی تہذیب کی بنیاد۔ علم ہندسہ اور ہیئت

(۴) چوتھی تہذیب بابلی تہذیب ہے۔ اسکی بُنیاد علم ہندسہ اور ہیئت پر رکھی گئی تھی۔ اس کے بانیوں کا خیال تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے سورج۔ چاند اور تارے بنائے ہیں اور ایک نظام دُنیا میں جاری کیا ہے۔ انسانی ترقی اس نظام کی نقل کرنے سے ممکن ہے۔ اس لئے ہمیں نظام شمسی پر غور کر کے اور اس کے راز معلوم کر کے اسکی اتباع کرنی چاہیئے۔

مغربی تحریک کا پیغام۔ مادیت اور قوم پرستی۔

(۵) پانچویں تہذیب یعنی مغربی تحریک کی بُنیاد مادیت اور قوم پرستی پر ہے۔

پانچوں تحریکوں کی مزید تشریح

اختصاراً پانچوں مادی تحریکوں کا ذکر کرنے کے بعد اب میں انکے بنیادی اصولوں کے نتائج کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں:۔

آرین تہذیب چونکہ نسلی امتیاز اور تفوق پر مبنی تھی۔ باوجود بہت وسعت پا جانیکے کبھی کوئی امپائر نہ بنا سکی۔ نیز نسلی امتیاز کی وجہ سے ان میں وہ اتحاد بھی پیدا نہ ہو سکا جو ایرانیوں میں تھا۔ اس کے مقابلہ میں رومن ایمپائر نے ترقی کی کیونکہ اس کے سیاسی اصول ایسے تھے کہ قوموں کو مفتوح کرنے کے باوجود وہ ان سے تعلق رکھ سکتی تھیں۔ اس لئے رومن تحریک مستقل ارتقائی منازل طے کرتی چلی گئی۔ اور ارتقائی فلسفہ کی بانی ہوئی۔

ایرانی تہذیب نے وسیع ایمپائر کی بنیاد رکھی۔ جس کے ٹکڑے اپنے اپنے دائرے کے

تکا۔ کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ عاد نام کی کوئی قوم نہیں گذری۔ مگر بیس سال سے جب سے کہ عاد کے آثار ملے ہیں وہ بھی ماننے لگ گئے ہیں کہ عاد نام کی ایک قوم ہوئی ہے بلکہ میں نے حال ہی میں ایک عیسائی مؤرخ کی کتاب پڑھی ہے۔ جس میں وہ عاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عاد کے متعلق مؤرخوں کی سینکڑوں صفحوں کی کتابیں اس سے زیادہ معلومات بیان نہیں کر سکیں جتنے معلومات قرآن کریم نے اپنے چند الفاظ میں بیان کر دیئے ہیں +

(تاریخ العرب قبل الاسلام مصنفہ جرجی زیدان)

بابلی تحریک کا ذکر کتب مقدسہ میں

بابل کی حکومت کا جو بیان تورات میں آتا ہے اس سے بھی قرآنی بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ بائبل میں آتا ہے:۔

" اور انھوں نے کہا۔ آؤ ہم اپنے واسطے ایک شہر بناویں۔ اور ایک بُرج جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے۔ اور یہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ تمام روئے زمین پر پریشان ہو جائیں۔ اور خداوند اس شہر اور بُرج کو جسے بنی آدم بناتے تھے۔ دیکھنے اُترا۔ اور خداوند نے کہا۔ دیکھ۔ لوگ ایک ہیں اور ان سب کی ایک ہی بولی ہے اب وے یہ کرنے لگے۔ سو وے جس کام کا ارادہ رکھیں گے۔ اس سے نہ رُک سکیں گے آؤ ہم اُتریں اور ان کی بولی میں اختلاف ڈالیں۔ تاکہ وے ایک دوسرے کی بات نہ سمجھیں۔" (پیدائش باب ۱۱۔ آیت ۴ تا ۷) +

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ یہودی تاریخ کے مطابق بھی بابلی لوگوں کا بڑا کمال بلند عمارات بنانے میں تھا کیونکہ توریت کے اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ دُنیا میں زبانوں کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی وقت بابل کے لوگوں نے ایک بلند عمارت بنانی شروع کی تھی۔ تا وہ ان کے لئے ایک نشان قرار پائے اور اسکی وجہ سے وہ پراگندگی سے بچ جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ پراگندگی چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے ان کی زبانوں میں فرق ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم میں سے اتحاد مٹ گیا اور ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور وہ اس عمارت کے بنانے میں ناکام رہے +

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ۔ اور فرعون مصر بھی اسی تہذیب کا حامل تھا۔ وہ بھی ذِی الْاَوْتَاد تھا۔ بعض نے اوتاد کے معنے خیموں کی میخیں کئے ہیں لیکن اس جگہ یہ معنی درست نہیں۔ اس جگہ اَوتاد سے مُراد وہ بلند عمارتیں ہیں جو بلند و بالا ہوں۔ اور پہاڑ کی طرح اونچی نکل جائیں۔ عربی میں پہاڑوں کو بھی اَوْتَادُ الْاَرْضِ کہتے ہیں۔ اور ناک کو بھی وَتَد کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ چہرہ کے باقی اعضا سے اونچا نکلا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ مصری عمارتوں کی خصوصیت ہے کہ وہ عمارتیں پہاڑوں کی طرح مثلث شکل کی بناتے ہیں اور رہائشی گنجایش کا خیال نہیں رکھتے۔ بلکہ اونچائی کا خیال رکھتے ہیں۔ پس ذِی الْاَوْتَاد سے مُراد نہایت بُلند عمارتوں والے کے ہیں +

جس کسی کو مصر جانے کا موقعہ ملا ہو وہ جانتا ہے کہ اہرام مصری کس قدر اونچے ہیں دُور دُور سے لوگ انھیں دیکھنے آتے ہیں اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ اتنی بلندی پر وہ لوگ پتھر کس طرح اُٹھا کر لے گئے۔ اہرام اتنے بلند ہیں کہ انسان کو ان پر چڑھتے ہوئے کافی دیر لگ جاتی ہے۔ مَیں باوجود ارادہ اور خواہش کے ان میں سے کسی پر نہیں چڑھ سکا۔ بلکہ ایک دوست ایک اہرام کے اوپر چڑھ گئے تو انھیں اوپر جاتے ہوئے اس قدر دیر ہوگئی کہ مجھے ڈر ہُوا کہ ہم رات کو اندھیرا ہو جانے کے بعد وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوسکیں گے قطب صاحب کی لاٹ کی بلندی کو ان کی بلندی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ یورپین لوگ بھی انھیں دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور انکی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان کے برابر برابر پتھر وہ اتنی بلندی پر اُٹھا کر کس طرح لے گئے +

تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تم فرعون کو دیکھو جو ایسی مثلث عمارتیں بناتا تھا۔ جو بڑی بلند اور مضبوط ہوتی تھیں۔ فرماتا ہے۔ اس تہذیب کے حاملوں نے اپنی اپنی ترقی کے زمانہ میں دُنیا میں بہت فساد پیدا کر دیا تھا۔ اور اپنی طاقت کی وجہ سے سخت متکبّر ہو گئے تھے۔ لیکن دیکھو کہ ہم نے بھی ان سے کیسا سلوک کیا اور کس طرح انھیں برباد کر کے رکھ دیا +

غرض بابلی تحریک میں عمارتوں کی تعمیر پر اور رصدگاہوں کے بنانے پر زیادہ زور تھا۔ عاد کے آثار میں ہر جگہ عظیم الشّان عمارتیں نظر آتی ہیں۔ پہلے یورپ کے لوگ عاد قوم کے وجود سے

محل اسکی تلاش کے لئے بنانا چاہتا ہوں۔ میرے اس حکم کی غرض شبہ نہیں بلکہ میری غرض موسیٰ کو جھوٹا ثابت کرکے دکھانا ہے ۔

اسی طرح عاد کے متعلق ایک اور آیت میں بھی ذکر آتا ہے کہ وہ بڑی بڑی اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ اور وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ (شعراء ع)

فرماتا ہے عاد قوم سے مخاطب ہوکر ہم نے کہا تھا کہ تم لوگ ہر پہاڑی پر شاندار عمارتیں بناتے ہو۔ اور بڑی بڑی فیکٹریاں اور کیمسٹری کے مرکز تیار کرتے ہو۔ اور خیال کرتے ہو کہ تم ہمیشہ قائم رہوگے۔ جیسے یورپ کے لوگ آجکل یہ خیال کرتے ہیں کہ انکی تہذیب ہمیشہ قائم رہے گی۔ (مَصَانِعَ سے مراد فیکٹریاں اور کیمیکل ورکس ہیں) پھر فرمایا جب تم کسی ملک پر غلبہ پاتے ہو تو تم اس جگہ کی تہذیب کو بالکل تباہ کر دیتے ہو۔ اور انکی تہذیب اور انکے تمدن کی جگہ اپنی تہذیب اور اپنا تمدن قائم کرتے ہو۔ (جَبَّار کے معنے ہیں دوسرے کو نیچا کرکے اپنے آپ کو اونچا کرنے والا۔ اور ایک مطلب یہ ہے کہ دوسری اقوام کے تمدن اور تہذیب کو تباہ کرکے اپنے تمدن اور تہذیب کو دُنیا میں قائم کرتے ہو)

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ سے یہ استنباط بھی ہوسکتا ہے کہ آلات جنگ کی ایجاد کا کمال انہی کے زمانہ میں ہؤا۔ چنانچہ جس رنگ میں انھوں نے پہاڑوں میں عمارتیں بنائی ہیں۔ ان سے بعض مؤرخین نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس قوم نے بارود اور ڈائنامیٹ ایجاد کر لیا تھا۔ ان معنوں کی رو سے آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ تم ایسے ایسے سامان جنگ ایجاد کرتے ہو جو نہایت ہی جہلک ہیں۔ اور تم ان کے ذریعہ سے باقی اقوام کو تباہ کرکے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن قائم کرنا چاہتے ہو ۔

تہذیب مغربی کا فلسفہ

موجودہ مغربی تہذیب کی بُنیاد بھی ایک فلسفہ پر ہے۔ اور وہ فلسفہ مادیت کا فلسفہ ہے۔ جن کی بنیاد مشاہدہ اور تجربہ پر ہے۔ اسی فلسفہ کی وجہ

جو وجہ اس حوالہ میں دی گئی ہے وہ تو محض ایک کہانی ہے۔ لیکن اس سے یہ تاریخی صداقت ضرور معلوم ہو جاتی ہے کہ اہل بابل اونچی عمارتیں بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور ایسی بلند عمارتیں بناتے تھے جن کو دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ گویا وہ آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ؞

قرآن کریم میں بھی فرعون کی نسبت اس حوالہ کے مشابہ ایک بات بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ بائبل میں تو خدا تعالےٰ کی طرف اس بیہودہ خیال کو منسوب کیا گیا ہے۔ کہ کہیں انسان بلند عمارت بنا کر اُلوہیت کے مقام کو حاصل نہ کر لے۔ اور قرآن کریم نے اس لغو خیال کو فرعون کی طرف منسوب کیا ہے جسکی صداقت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ فرعون کی نسبت فرماتا ہے کہ اس نے ہامان سے کہا کہ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (قصص ع ۴) ؞

یعنی فرعون کے سامنے جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنا دعویٰ پیش کیا تو فرعون نے اسے سُنکر اپنے انجنیئر ہامان کو بُلایا۔ اور اسے حکم دیا کہ پتھیروں کو لگا دو۔ اور ایسا اُونچا محل بناؤ۔ اور ایسی ایسی دُور بینیں اور رصد گاہیں تیار کرو کہ ہم آسمان کے راز کھول کر رکھ دیں۔ اور موسیٰ کے خدا کا سراغ نکال لیں ؞

اسی طرح سورہ مومن میں آتا ہے۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا (ع ۴)، کہ فرعون نے اپنے انجنیئر ہامان سے کہا کہ ہمارے لئے ایک قلعہ بناؤ۔ مگر وہ اتنا اونچا ہو کہ اس پر چڑھ کر ہم آسمان کے راز معلوم کر سکیں۔ اور موسیٰ کے خدا کا پتہ لگا لیں۔ یہ مطلب نہیں کہ آسمان پر پہنچ جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنا بلند ہو کہ وہاں سے آسمان کا نظارہ آسانی سے ہو سکے۔ وہاں ہم بڑی بھاری دُور بینیں لگائینگے۔ اور موسیٰ کے معبود کو دیکھیں گے۔ اور آخر میں کہا کہ مَیں تو اسے بالکل جھوٹا سمجھتا ہوں۔ یعنی کوئی یہ نہ خیال کرے کہ مجھے شبہ ہے کہ شاید جس خدا کا موسیٰ ذکر کرتا ہے وہ صحیح ہے تبھی تو میں ایک اونچا

اور قطعاً اسکی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہ تمام امراض کو کسی خاص سلسلہ کی کڑی قرار دے ۔

جہاں تک معلومہ تاریخ کا تعلق ہے دنیوی تحریکوں میں سے یہی پانچ تحریکیں دُنیا میں نظر آتی ہیں۔ اور تمام دنیا کی حکومتوں اور علوم اور تہذیبوں پر ان کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ باقی سب حکومتیں اور فلسفے انکے تابع نظر آتے ہیں۔ انھیں اگر ان سے اختلاف ہے تو جزوی ہے۔ بعض فلسفے ان فلسفوں سے جُدا ہو کر بظاہر ایک نئی صورت اختیار کر گئے ہیں اور بعض بہت تھوڑے تغیر سے انہی فلسفوں کے ترجمان بن گئے ہیں ۔

بڑی بڑی تحریکوں کی کامیابی کا سبب

ان پانچوں تحریکوں کی کامیابی کی وجہ یہی تھی کہ ان کے ساتھ ایک پیغام تھا۔ وہ صرف تلوار سے ملک کو فتح نہیں کرتے تھے بلکہ اس ملک کے ذہنوں کو بھی اپنا غلام بناتے تھے۔ اس لئے جب انکی حکومت تباہ بھی ہوجاتی تو ان کا فلسفہ تباہ نہ ہوتا۔ اور وہی غلام اس فلسفہ کو لے کر دُنیا میں حکومت کرنے لگ جاتے تھے اور اس طرح ایک ذہنی اور علمی تناسل کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان تحریکوں کے بانی سنت الٰہی کے ماتحت کچھ عرصہ تک حکومت کر کے مٹ گئے مگر انکی تحریکیں دیر تک قائم رہیں۔ اور آج تک بھی ان میں سے کئی کا وجود مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں اب تک آرین تہذیب کا یہ اثر موجود ہے۔ کہ برہمن اور کھتری شودر کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتے ۔

کچھ عرصہ ہوا مدراس کا ایک واقعہ بعض اخبارات نے بیان کیا تھا جو یہ ہے۔ کہ ایک برہمن کے بیٹے نے کسی چمارن سے شادی کر لی۔ ماں باپ نے اس کا گھر الگ کر دیا۔ اور وہ علیحدہ اس چمارن کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ ایک دن ماں باپ نے کہا کہ اپنے بیٹے کا ایمان دیکھنا چاہیئے۔ کہ کہیں چمارن سے شادی کر کے اس کا دھرم تو نہیں جاتا رہا۔ چنانچہ انھوں نے اسے ایک دن گھر میں بُلا کر خوب اچار کھلایا اور پانی کے جس قدر گھڑے تھے وہ یا تو توڑ پھوڑ دیئے یا کہیں چھپا کر رکھ دیئے۔ جب اس نے خوب اچار کھا لیا تو اُسے پیاس لگی۔ مگر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو پانی موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ پانی نہ پی سکا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کا گھر ماں باپ کے گھر سے کوئی میل بھر دُور تھا۔ وہاں دوڑا

سے مغربی تہذیب نے قومیت کا شدید احساس پیدا کر لیا ہے +

خالص قربانی انسان تبھی کر سکتا ہے جب وہ سمجھتا ہو کہ اس دُنیا کے علاوہ بھی کوئی اور دُنیا ہے اور اگر مَیں دوسروں کے لئے قربانی کی تو گو مَیں اس دنیا کا نفع حاصل نہ کروں مگر مجھے رُوحانی فائدہ پہنچے گا لیکن جس کو یقین ہو کہ جو کچھ ہے یہی دُنیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ ملے مجھے ہی ملے کسی دوسرے کو نہ ملے +

پس انتہائی نیشنلزم مادیت کا نتیجہ ہے۔ اور پھر اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ تعیش پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کے آرام کے سامانوں۔ کھانے پینے اور پہننے کے سامانوں میں زیادتی کی خواہش بھی مادیت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ مَیں نے حاصل کرنا ہے۔ اِسی دُنیا میں حاصل کرنا ہے۔ پس جو مزہ اُڑایا جا سکتا ہے۔ اُڑا لو۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب نے تعیّش کو کمال تک پُہنچا دیا ہے +

رومن اور مغربی تہذیب میں فرق

رومن تہذیب اور مغربی تہذیب میں یہ فرق ہے کہ رومیوں میں قانون کی محبت تھی اور اس وجہ سے ان کا فلسفہ کلیات سے جزئیات کی طرف رجوع کرتا تھا۔ چنانچہ رومی تہذیب اور فلسفہ میں مَیں یونانی تہذیب اور فلسفہ کو شامل سمجھتا ہوں۔ فلسفہ کی تمام شاخیں اسی اصول کے تابع ہیں۔ انکی طب کو دیکھو۔ اسکی بنیاد کلیات پر رکھی گئی ہے۔ اور پھر اس سے جزئیات اخذ کی گئی ہیں۔ ان کے فلسفہ الٰہیات کا بھی یہی حال ہے۔ پہلے کلّیات تجویز کرکے پھر جزئیات کو ان سے اخذ کیا گیا ہے۔ سیاست کا بھی یہی حال ہے کہ کچھ کلّیات تجویز کرکے ان سے جزئیات کو اخذ کیا گیا ہے۔ لیکن موجودہ مغربی تہذیب کی بُنیاد چونکہ مادیت پر ہے۔ یعنی جزئیات کے تجربہ اور مشاہدہ پر۔ اُنکے ہاں سب زور جزئیات پر ہے۔ کلّیات کو یا تو یہ لوگ جزئیات سے اخذ کرتے ہیں۔ یا پھر کلّیات کے وجود ہی کو لغو اور فضول قرار دے دیتے ہیں۔ ایک یونانی طبیب ہر بیماری کو چاروں خلطوں میں محصور قرار دے کر کلّیات طب سے مرض کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ مگر ایک طب جدید کا ماہر ہر مرض کی مخصوص علامات کا پتہ لگا کر انہی مخصوص علامات کے مطابق اس کا علاج کرتا ہے۔

یہ جو کہ مغربی پر مضمون کے دستور دیکھ کر نتیجہ نکالوں گا کہ مجھے کس موقعہ پر کیا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ گویا یہ تغیر جو ہندوستان میں پیدا ہوگا ویسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ انگلستان میں مسٹر بالڈون کی جگہ مسٹر چیمبرلین نے لے لی ہے۔ یا آیندہ انکی جگہ شاید میجر ایٹلی لے لیں۔ ورنہ اگر کوئی نئی تہذیب اس عرصہ میں رونما نہ ہوئی۔ تو مغربیت ہی یہاں حکومت کر رہی ہوگی۔ گو اسکی شکل کسی قدر بدل گئی ہو۔ گاندھی جی جو ایک فلسفہ کے موجد کہے جاتے ہیں وہ بھی باوجود زبانی مغربیت کے اثر کو رد کرنے کے اسی فلسفہ کے تابع چل رہے ہیں۔ جب بھی وہ کوئی نئی بات سوچتے ہیں وہ اسی مغربی تہذیب کے تابع ہوتی ہے۔ اور چونکہ مغربی تہذیب کی بُنیاد مادیت پر ہے۔ جس کا یہ اصول ہے کہ مُنہ سے کچھ اور کہو اور عمل کچھ اور رکھو۔ اس لئے گاندھی جی کے پیرو بھی مُنہ سے تو امن امن کہتے ہیں۔ مگر اندر سے لڑائی کی تیاریاں جاری رکھتے ہیں۔ اہنسا کا مُنہ سے شور مچاتے ہیں کہ آہنسا قائم کرو۔ آہنسا قائم کرو۔ مگر عملاً ہر اختلاف کے موقعہ پر بیسیوں مسلمانوں کو ذبح کرا دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اصول صرف کہنے کے لئے ہیں عمل کرنیکے لئے نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مادیت کے اثر کے نیچے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اگلا جہان کوئی نہیں۔ تو پھر اسے اس شخص کو تباہ کرنے سے کونسی چیز روک سکتی ہے جسے وہ اپنا دشمن سمجھ بیٹھتا ہے۔ وہ تو ہر رنگ میں اپنے مدمقابل کو زک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے پس کانگرسی گو مُنہ سے یہ کہتے جائیں کہ ہم گاندھی فلسفہ کے پیرو ہیں۔ مگر حقیقتہً ان کا عمل مغربی فلسفہ پر ہی ہے۔ اور جب تک مادیت کا اثر ان کے دلوں پر سے دُور نہ ہوگا۔ وہ یورپ کے واقعات کو ہندوستان کی سٹیج پر تمثیلی رنگ میں دکھاتے رہینگے۔

غرض ان پانچوں تحریکوں کی کامیابی کی اصل وجہ یہی ہے کہ انکے پیچھے ایک فلسفہ تھا۔ ان کے بانی لوگوں کے مُلک پر ہی قبضہ نہیں کرتے تھے بلکہ انکے دل و دماغ کو بھی غلام بنا لیتے تھے جو غلامی کہ جسمانی غلامی کے دُور ہو جانے کے بعد بھی بعض دفعہ سینکڑوں برسوں تک باقی رہتی تھی۔

مذہبی دُنیا میں بھی حقیقی ترقی انقلاب سے ہی ہوتی ہے

دوڑ پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا۔ مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے پانی ہے تو پلاؤ۔ وہ کہنے لگی پانی تو ہے مگر برتن میرا ہے۔ اگر کہو تو اپنے برتن میں پانی پلا دوں ؟ وہ کہنے لگا یہ تو دھرم کے خلاف ہے۔ آخر جب پیاس سے اس کا بہت ہی بُرا حال ہوا اور اس نے سمجھا کہ اب مَیں مرا جاتا ہوں۔ تو بیوی سے کہنے لگا۔ اپنے منہ میں پانی ڈالکر میرے منہ میں ڈالدے چنانچہ اس نے منہ میں پانی لیا اور اس کے منہ میں کلی کر دی۔ ماں باپ جو کہیں چھپ کر یہ تمام نظارہ دیکھ رہے تھے۔ دوڑتے ہوئے آئے اور اپنے بچہ سے یہ کہتے ہوئے چمٹ گئے کہ شکر ہے پرمیشور کی دیا سے ہمارے بچّہ کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا +

یہ قصہ اسی گہرے نسلی تعصب کا ایک مضحکہ خیز ظہور ہے۔ جو آرین تہذیب کی خصوصیات سے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج تک اس تہذیب کے گہرے اثرات کروڑوں آدمیوں کے دلوں پر منقش ہیں۔ جسکی وجہ سے برہمن شودر کا جھگڑا اب تک ہندوستان میں چلا جاتا ہے +

یہ تہذیبی فلسفے بعض دفعہ مخلوط بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ان میں اَور نئی چیزیں آ ملتی ہیں۔ مگر اصلی فلسفہ کا نشان موجود رہتا ہے مٹتا نہیں۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں ہندوستان میں اسی قسم کا ایک تغیّر رُونما ہو رہا ہے۔ انگریزوں کی لمبی حکومت نے اور مغربی اقوام کی ترقی نے ہندوستان میں مغربیت کا پودا پیدا کر دیا ہے جو روز بروز جڑ پکڑتا جاتا ہے۔ اور اسکی شاخیں چاروں طرف پھیلتی جاتی ہیں۔ خصوصاً تعلیم یافتہ لوگوں میں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی مغربیت ہے۔ وہ مغربیت کے رنگ میں پورے طور پر رنگین ہیں۔ وہ۔ سی کی عینک سے ہر شے کو دیکھتے ہیں۔ آزادی کی تہذیب نے اس تہذیب کو ایک دھکا لگایا ہے۔ مگر اسی طرح جس طرح قدیم زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ یعنی سطحی تغیّرات کے ساتھ مغربی فلسفہ کو اپنا لیا گیا ہے۔ اگر آج انگریزی حکومت ہندوستان سے جاتی ہے تو بھی انگریزی حکومت کا طریق نہیں مٹ سکتا۔ وہی کونسلیں ہونگی۔ وہی پارلیمنٹیں ہونگی وہی دستور ہوگا۔ اور کونسلوں کے سپیکروں کے سامنے جب بھی کوئی مشکل سوال آئے گا وہ یہی کہیں گے کہ میں کل تک غور کرکے جواب دُونگا۔ اور غور سے مراد اُنکی

تو ہم کہیں گے کہ اس نے عمل صالح نہیں کیا۔ یا روزہ ایک نیک عمل ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر بعض روزہ رکھنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ لوگ جو بے روزہ تھے ثواب میں روزہ داروں سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ان روزہ داروں نے ایسی حالت میں روزہ رکھا۔ جبکہ روزہ نہ رکھنا حالات کے لحاظ سے زیادہ مناسب تھا +

غرض عمل صالح عربی زبان میں مناسب حال فعل کو کہتے ہیں۔ پس فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو لوگ رسولوں پر ایمان لائے۔ اور انھوں نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے وہ ہلاکت سے بچ گئے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور انھوں نے انبیاء کی تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ اور اس عمارت کی اینٹ بن گئے۔ جسکی تعمیر وقت کے نبی کے ہاتھوں ہو رہی ہوتی ہے۔ انکے لئے کوئی خوف اور کوئی حزن نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف جو لوگ اپنے آپ کو اس تعلیم کے مطابق نہیں بناتے اور نئی عمارت کا جزو بننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۔ ان پر اللہ تعالےٰ کا عذاب اُترتا ہے اور بوسیدہ عمارت کی طرح انھیں توڑ کر رکھ دیتا ہے +

بعثت انبیاء کا مقصد

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا جو نبی بھی دُنیا میں آتا ہے وہ اسی لئے آتا ہے کہ اپنے سے پہلے نظام کو توڑ دے۔ اور ایک نیا نظام قائم کرے۔ اور اسکی آمد کے بعد وہی حیاتِ نو پاتا ہے جو اس کے نظام کو قبول کرے۔ یہ بات ہر نبی کی بعثت کے بعد ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ خواہ وہ نبی چھوٹے ہوں یا بڑے۔ لیکن جو اولوالعزم رُسل ہوں انکے آنے پر تو گویا ایک قیامت آجاتی ہے جس طرح کہ ان جدید تحریکات کے ظہور پر ہوتا ہے جن کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں ہاں جو شرعی رسول آتے ہیں وہ اپنے سے پہلے نبی کے نظام کو بھی توڑ دیتے ہیں لیکن جو شریعت نہیں لاتے گو وہ پہلے نبی کے نظام کو تو نہیں توڑتے لیکن اس رائج الوقت

حقیقی کامیابی انقلاب کے ذریعہ سے اور انقلاب ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر انقلاب نہ ہو تو مذہب کبھی کامیاب نہ ہو۔ کیونکہ یہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اور قانونِ قدرت خدا کا فعل ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے کامیابی نہیں ہو سکتی +

انقلاب کے معنی ہیں کسی چیز کا کلیۃً بدل جانا۔ اب اگر تم ایک پرانی عمارت کی جگہ پر نئی عمارت بنانا چاہو۔ جس کا نقشہ بالکل نیا ہو۔ تو لازماً تمہیں پہلی عمارت کو گرا دینا پڑیگا اور کوئی بیوقوف ہی ہوگا۔ جو نئی عمارت تو بنانا چاہے۔ مگر پرانی عمارت کو توڑنے کے لئے تیار نہ ہو +

قرآن کریم نے بھی مذہبی ترقی کو اسی انقلابی طریق سے وابستہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (انعام ع ۵) کہ ہم دُنیا میں جب بھی کوئی رسول بھیجتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دُنیا میں دو اعلان کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسکی آمد سے پہلے جو نظام جاری تھا وہ اسکی موت کا اعلان کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے لائے ہوئے سسٹم کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیتا ہے کہ وہ اپنی اصلی شکل میں دُنیا میں قائم کیا جائے گا اور کسی اثر یا دباؤ کی وجہ سے یا کسی قوم سے سمجھوتہ کرنے کی غرض سے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ ان اعلانات کے بعد جو لوگ تو اس جدید سسٹم کے تابع اپنے آپ کو کر لیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس کے رنگ میں ڈھال لیتے ہیں۔ وہ تباہی سے بچ جاتے ہیں۔ جو ایسا نہیں کرتے وہ آہستہ آہستہ مٹ جاتے ہیں +

اَصْلَحَ کے معنے اپنے آپ کو کسی چیز کے مطابق بنا لینے کے ہیں۔ پس عمل صالح کے یہ معنے ہیں۔ کہ وہ عمل جو اس نئی تحریک کے مطابق ہوں۔ عمل صالح کے معنے نیک عمل کے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ نیک کام اور عمل صالح میں فرق ہے مثلاً نماز پڑھنا ایک نیک کام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص جہاد کے وقت نماز پڑھنا شروع کر دے

وہ یہی تھی کہ کہیں قرآن کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ پس فرمایا۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اے انکار کرنے والو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا زمین آسمان کا بادشاہ ہے؟ پس جب اُس نے اس بادشاہت کو ایک نئے اصول پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس کے فیصلہ کے پُورا ہونے کو کون روک سکتا ہے؟ ✦

مذہبی نظام کی مدّتِ عمل

غرض قرآن کریم نے مذاہب کے بارہ میں بھی یہ قاعدہ بتایا ہے کہ ہر مذہبی نظام جو قائم کیا جاتا ہے۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد یا تو ناقابلِ عمل ہو جاتا ہے یا لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔ ناقابلِ عمل وہ دو طرح ہوتا ہے۔ یا لوگ اس میں ملاوٹ کر دیتے ہیں۔ یا زمانہ کے مطابق اسکی تعلیم نہیں رہتی۔ یعنی یا تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ اِس تعلیم میں تصرف کر دیتے ہیں۔ اور یا پھر تعلیم تو محفوظ ہوتی ہے۔ مگر زمانہ چونکہ ترقی کر جاتا ہے۔ اس لئے وہ قابل عمل نہیں رہتی۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی کا لباس پھٹ جائے۔ اور اسے نیا لباس سلوانے کی ضرورت پیش آئے۔ یا بچہ ہو اور اس کا لباس ہو تو اچھا لیکن قد بڑھ جانے کی وجہ سے اس کے قد پر پہلا لباس درست نہ آتا ہو اور نیا لباس تیار کروانا پڑے۔ اسی طرح تعلیم یا تو اس لئے بدلی جاتی ہے کہ وہ خراب ہو جاتی ہے یا اس لئے بدلی جاتی ہے کہ انسانی حالت میں ایسا تغیّر آ جاتا ہے کہ پہلی تعلیم اس کے مطابق نہیں رہتی۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کہ اب اس کیلئے دوسری تعلیم کی ضرورت ہے ✦

یہ جو تعلیم کے خراب ہو جانے کی صورت ہے یہ بھی درحقیقت اسی وقت واقع ہوتی ہے۔ جب وہ تعلیم ناقابلِ عمل ہو جائے۔ ورنہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہوتا ہے۔ ہاں اس تعلیم کی ضرورت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بندوں سے کہتا ہے کہ اب بیشک اس میں تغیّر و تبدّل کر لو۔ مجھے پرواہ نہیں جیسے گھر میں بعض دفعہ کوئی خراب اور پھٹا پُرانا کپڑا ہو۔ اور بچہ اسے پھاڑے تو ہم پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح مذہب میں قطع و برید کی اجازت اللہ تعالیٰ اُسی وقت دیتا ہے۔ جب زمانہ کو

نظام کو ضرور توڑ دیتے ہیں جو پہلے شریعت لانے والے نبی کی شریعت کو بگاڑ کر لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق قائم کر لیا ہوتا ہے +

مذہبی انقلابات کا طریق

مذہب میں جو اس قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ انکے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (سورۃ بقرہ ع۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گزشتہ زمانوں میں جو پیغام آتے رہے ہیں یا آیندہ آئینگے ان سب کے متعلق ایک قانون جاری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ اپنی ضرورت کو پورا کر چکے ہیں اور اس قابل ہوتے ہیں کہ انھیں مٹا دیا جائے اور انکی جگہ ایک نیا نظام آسمان سے اُتارا جائے۔ اور کبھی لوگ انھیں بھلا دیتے ہیں اور صرف اس امر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ جو نظام لوگوں کی غفلت کی وجہ سے الٰہی نظام کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ اسے مٹا کر پھر نئے سرے سے وہی پہلا الٰہی نظام قائم کیا جائے۔ جب الٰہی نظام ہی اپنی ضرورت پوری کر کے مٹائے جانے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر نظام دُنیا میں بھجوا دیتا ہے۔ اور جب وہ نظام تو صحیح ہو۔ صرف لوگوں نے اسے بھلا دیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اسی پہلے نظام کو بجنسہٖ پھر دنیا میں قائم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ دونوں قدرتیں حاصل ہیں +

پھر فرماتا ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ہم ایک انقلاب عظیم کے پیدا کرنے کے لئے اور ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں +

یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفّار کو اس امر کا تو غصہ نہ تھا کہ ان کے نبوت کے خلاف ایک خیال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ انھیں جس بات کا خطرہ تھا اور جسکا تصور کر کے بھی انھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی

ناقابلِ عمل ہو جائے۔ تو اللہ تعالےٰ اسے منسوخ کر دیتا ہے۔ اور اس سے بہتر تعلیم بھیج دیتا ہو۔ کیونکہ زمانہ ترقی کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ لیکن جب لوگ عمل ترک کر دیں لیکن تعلیم محفوظ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اسی کلام کو دُہرا دیتا ہے اور اس کا مِثل نازل کر دیتا ہے۔ یعنی اسی تعلیم میں ایک نئی زندگی ڈال دیتا ہے +

اِس آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ کیا تم خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں۔ ان الفاظ سے وہ معنے جو عام طور پر اس آیت کے کئے جاتے ہیں۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔ رد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآنی آیات کے منسوخ ہونے سے قدرت الٰہی کے اظہار کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ قدرت کا مفہوم انہی معنوں میں پایا جاتا ہے جو مَیں نے کئے ہیں +

پھر یہ جو فرمایا ہے کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ ہر کلام جب آئے یا جب اسے دوبارہ زندہ کیا جائے۔ وہ ایک انقلاب چاہتا ہے۔ اور یہی امر لوگوں کے خیال میں ناممکن ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے انقلاب پر قادر ہے۔ خواہ نئے کلام کے ذریعہ سے وہ انقلاب پیدا کر دے۔ خواہ پُرانے کلام ہی کو زندہ کر کے انقلاب پیدا کر دے +

یہ معنے جو مَیں نے کئے ہیں۔ گو جدید ہیں۔ لیکن آیت کے تمام ٹکڑوں کا حل انہی معنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلے مفسّر اس کے معنے یہ کیا کرتے تھے۔ کہ قرآن میں بعض آیتیں اللہ تعالےٰ نازل کرتا اور پھر انھیں منسوخ کر دیتا ہے۔ مخالف ان معنوں پر تمسخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ آیت نازل کر کے اسے منسوخ کیوں کرتا ہے؟ کیا اسے حکم نازل کرتے وقت یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ حکم لوگوں کے مناسب حال نہیں۔ دوسرے نسخ سے تو اس کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ پھر اسکے ذکر کے بعد اس فقرہ کے کیا معنے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ مگر جو معنے مَیں نے کئے ہیں ان میں ایک زبردست قدرت کا اظہار ہے یہ آسان کام نہیں کہ ایک ایسے قانون کو جو لوگوں کے دلوں پر نقش فی الحجر کی طرح جما ہُوا ہو۔ اور جسے چھوڑنے کے لئے وہ کسی صورت میں تیار نہ ہوں۔ مٹا کر اسکی جگہ ایک نیا

اس تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی اور انسان کے حالات نئی تعلیم کا تقاضا کرتے ہیں پس
اس وقت اللہ تعالیٰ اس فرسودہ مذہب کی حفاظت چھوڑ دیتا ہے اور بندوں کو اجازت
دے دیتا ہے کہ وہ اس میں تصرف کریں اور اس سے کھیلیں۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ
کی تعلیم سے کھیل رہا ہے۔ حالانکہ خدا اس تعلیم کو زمانہ کے مطابق حال نہ پاکر اسے بندوں کے
حوالے کر چکا ہوتا ہے۔ اور اپنی حفاظت کا ہاتھ اس سے اُٹھا چکا ہوتا ہے +

پس فرمایا کہ پیغام الٰہی کے متعلق دو ہی صورتیں ہیں (۱) جب وہ ناقابلِ عمل ہو جاتا
ہے۔ تو ہم اس سے بہتر تعلیم لاتے ہیں۔ بہتر کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ پہلی تعلیم ناقابلِ عمل
ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اب اس سے بہتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بہتر کی ضرورت نہ ہوتی
تو پہلی تعلیم ہی کافی ہوتی۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لئے نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا کے الفاظ
استعمال فرمائے +

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جب تعلیم تو قابلِ عمل ہو مگر لوگ اس پر عمل ترک کر دیں
اور اپنے لئے خود ایسے قواعد تجویز کرلیں جو الٰہی تعلیم کے مخالف ہوں۔ اس حالت میں نئی تعلیم
کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ پُرانی تعلیم کی حکومت کو از سرِنو قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے
اس لئے فرمایا اَوْ مِثْلِهَا۔ یعنی جب تعلیم اصلی حالت میں موجود ہو۔ صرف لوگوں نے اس پر
عمل چھوڑ دیا ہو۔ تو ہم پھر ویسی ہی تعلیم لے آتے ہیں۔ یعنی اسی تعلیم کو دوبارہ قائم کر دیتے
ہیں۔ مِثْل کا لفظ خدا تعالےٰ نے اس لئے استعمال کیا ہے تا یہ بتائے کہ پہلی تعلیم چونکہ مر چکی
ہوتی ہے اس لئے ہم اس میں نئی زندگی پیدا کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ایک رنگ میں
پہلی تعلیم کا مثل ہوتی ہے +

پس اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پیغام الٰہی بھی ایک عرصہ کے بعد (۱) یا قابلِ عمل نہیں
رہتا (۲) یا لوگ اسپر عمل ترک کر دیتے ہیں۔ قابلِ عمل نہ رہنا دو طرح ہوتا ہے :-
(۱) لوگ اس میں ملاوٹ کر دیتے ہیں (۲) زمانہ کے مطابق تعلیم نہیں رہتی۔
ان دونوں حالتوں کے مقابل پر اللہ تعالےٰ کی بھی دو سنتیں جاری ہیں۔ جب کلام

وہ ان لوگوں سے جو مومن ہیں ٹھٹھے کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حالانکہ قیامت کے دن مومن انپر غالب ہوں گے ؀

گو فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کا نظارہ اس قیامت کے دن کو بھی ہوگا جو مرنے کے بعد آنے والا ہے۔ جبکہ کفار دوزخ میں جائینگے اور مومن جنت میں۔ مگر اس قیامت کے دن سے لوگ نصیحت نہیں حاصل کرسکتے۔ اور اس آیت میں اس امر کو صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ پس اس آیت میں یوم قیامت سے مُراد وہ دن ہے جس دن محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اور کفار کو شکست۔ جس دن دُنیا نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ وہ جو اکیلا تھا اور قوم کے ظلموں کا ستایا ہوا۔ وہ حاکم ہوگیا۔ اور وہ جو مُلک کے بادشاہ تھے محکوم بن گئے ؀

اِقترابُ السَّاعَۃ کے معنے

ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو اَلسَّاعَةُ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قمر ع۱) قیامت آگئی۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا ہے ؀

چاند کس طرح پھٹا؟ مَیں اس موقعہ پر اس بحث میں نہیں پڑتا۔ بلکہ میں آیت کے پہلے حصّہ کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ کہ اس چاند پھٹنے کے واقعہ پر تیرہ سو سال گذر چکے ہیں۔ اور چودھویں صدی کا نصف سے بھی زیادہ وقت گذر چکا ہے۔ مگر قیامت ابھی تک نہیں آئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ کہ چونکہ چاند پھٹ گیا ہے۔ اب قیامت کو آئی سمجھو۔ یہ سوال بھی غور طلب ہے کہ چاند کے پھٹنے کا اس قیامت سے کیا تعلق ہے جو مابعد الموت آنے والی ہے؟ چاند کے پھٹنے سے قیامت موعودہ کی طرف اشارہ نکالنا تو وہی بات ہوگی جیسے کہتے ہیں کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ ؀

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں قیامت سے مُراد مابعد الموت قیامت نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ مُراد ہے۔ اور اس رُوحانی احیاء کی طرف اشارہ ہے جو آپ کے ذریعہ سے ہونے والا تھا۔ اور چاند کے پھٹنے کا جو واقعہ تھا۔ وہ جس شق

قانون قائم کر دیا جائے یا جبکہ ایک قوم مرگئی ہو۔ اور نبی قانون کو پس پشت ڈال چکی ہو اور اسکی خوبیوں سے غافل ہوگئی ہو۔ پھر اس مردہ قوم میں سے ایک حصہ کو زندہ کرکے اس بھلائی ہوئی تعلیم کی محبت اس کے دل میں ڈال دے اور اس کے ذریعہ سے پھر اسی تعلیم کی حکومت دنیا میں قائم کر دے یقیناً یہ نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان قدرت پر دلالت کرتا ہے اور اسی قدرت کے مزید اظہار کے لئے آیت کے آخر میں یہ مزید الفاظ بھی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تمہیں علم نہیں۔ کہ زمین و آسمان کی بادشاہت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ایسا انقلاب نہایت آسانی سے پیدا کر سکتا ہے +

السَّاعَۃ کے معنے

غرض اولوالعزم انبیاء ایک قیامت ہوتے ہیں۔ جنکے ذریعہ سے پُرانی نسل مٹا دی جاتی اور ایک نئی نسل قائم کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ نیا نظام قائم کرتے ہیں۔ انکے زمانہ کو مذہبی اصطلاح میں یومِ قیامت بھی کہتے ہیں۔ انکے زمانہ میں یوم قیامت کی دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یعنی ایک دفعہ سب اہل زمانہ پر موت۔ اور پھر دوسری دفعہ احیاء۔ انبیاء کی بعثت کے ساتھ ہی پہلے تو دُنیا پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اور قُرب الٰہی کے وہ تمام دروازے جو پہلے اس کے لئے کُھلے تھے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر اس زمانہ کے نبی کے ذریعہ سے نئے دروازے قُرب الٰہی کے کھولے جاتے ہیں گویا پہلی عمارت کو وہ گرا دیتے ہیں۔ اور اسکی جگہ نئی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ خواہ پہلی عمارت منسوخ شدہ شریعت کی ہو یا لوگوں کی خود ساختہ عمارت ہو۔ جیسے محفوظ شریعت کو متروک قرار دے کر لوگوں نے خود کھڑا کر لیا ہو۔ اس زمانہ کو قرآنی اصطلاح میں السَّاعَۃ بھی کہتے ہیں +

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں آتا ہے زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (بقرہ ع۲۶)

یعنی جو لوگ کافر ہیں۔ انہیں ورلی زندگی کے سامان بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں اور

لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کے معنی

لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا الہام جو ایک سے زیادہ نبیوں کو ہُوا ہے۔ اسکے بھی یہی معنی ہیں کہ تو اپنے زمانے کے نظام کے لئے بطور ستون کے ہے۔ اگر تُو نہ ہوتا۔ تو ہم اس عالم کو جس کا مدار تجھ پر ہے پیدا ہی نہ کرتے۔ ورنہ یہ مُراد نہیں کہ کئی انبیاء ایسے گذرے ہیں کہ اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس عالم کو پیدا ہی نہ کرتا۔ ہر انقلاب رُوحانی اپنے زمانہ کے نبی کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے اور اسکی رُوحانی قابلیتوں کا ظل ہوتا ہے اور نبی گویا اس انقلاب کے لئے بمنزلہ والد کے ہوتا ہے اور جس طرح بغیر باپ کے اولاد نہیں ہوتی۔ اسی طرح رُوحانی انقلاب بغیر نبی کے نہیں ہوسکتا۔ پس یہ کہنا درست اور ایک حقیقت ہے کہ اگر وہ نبی نہ ہوتا تو وہ نئے رُوحانی آسمان و زمین جو اس کے ذریعہ سے پیدا کئے گئے نہ پیدا کئے جاتے +

لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ کا الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ہُوا ہے۔ اور آپ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی الہام ہو چکا ہے۔ اب اگر اس الہام میں زمین و آسمان سے مُراد مادی نظامِ شمسی کو لیا جائے تو یہ عجیب بات ہوگی کہ پہلے خدا تعالیٰ ایک نبی کو کہتا ہے کہ اگر تُو نہ ہوتا تو میں یہ زمین و آسمان نہ بناتا۔ اور اسکے بعد ایک دوسرے نبی کو کہتا ہے کہ اگر تُو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو نہ بناتا۔ پس یہ امر واضح ہے کہ اس آسمان و زمین سے مُراد رُوحانی نظام ہے۔ جو اس نبی کے ذریعہ سے دُنیا میں قائم کیا جاتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ نبی جس کے ذریعہ ایسا انقلاب کیا گیا ہے۔ اسے ایسا ہی الہام ہُوا ہوگا۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سارے زمانوں اور سب انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے یہ الہام سب زمانوں کو مد نظر رکھ کر سمجھا جائے گا۔ اور باقی نبیوں کے لئے مخصوص الزمان۔ اور مخصوص المقام سمجھا جائے گا +

افلاک کے معنی اور انجیل

زمین و آسمان کے یہ معنے جو میں نے کئے ہیں انجیل سے بھی ان

میں بھی تھا۔ وہ درحقیقت ایک پیشگوئی تھا عرب کی حکومت کے زوال کی نسبت۔ چنانچہ علم تعبیرالرؤیا میں چاند سے مُراد حکومتِ عرب بیان کی گئی ہے۔ پس اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ چاند کے پھٹنے کا واقعہ عرب کے موجودہ نظام کے مِٹ جانے پر دلالت کرتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ اور آپ کے نظام کا قیام ہوگا پس ہم تم لوگوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ اس دن کے آنے سے پہلے ہی اپنی اصلاح کرلو +

انشقاقِ قمر کے معنے

یہ امر کہ چاند کو کشف یا خواب میں دیکھنے سے مراد عرب حکومت یا عرب سردار ہوتا ہے۔ عربوں میں ایسا تسلیم شدہ تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ بھی اس سے یہی مراد لیتے تھے۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ فتح خیبر کے بعد یہود کے ایک سردار کی لڑکی حضرت صفیہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انکے ایک گال پر لمبے لمبے کچھ نشان تھے۔ آپؐ نے ان سے پُوچھا کہ یہ نشان کیسے ہیں؟ تو انھوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! مَیں نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ چاند ٹوٹ کر میری گود میں آپڑا ہے۔ مَیں اس خواب سے گھبرائی۔ اور مَیں نے اپنے خاوند کو یہ خواب سُنائی۔ اس نے میرے والد سے۔ جو یہود کے بڑے علماء سے تھے۔ اس کا ذکر کیا۔ اس نے جونہی یہ خواب سُنی۔ طیش میں آگیا۔ اور زور سے میرے مُنہ پر تھپّڑ مارا۔ اور کہا کہ کیا تو عربوں کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہے؟ چاند سے مُراد تو خواب میں عربوں کا بادشاہ ہوتا ہے اور اس کے گود میں گرنے سے مُراد اس سے نکاح ہے۔ یہ تھپّڑ اس زور سے رسید کیا گیا کہ اس کا نشان میرے گال پر پڑ گیا۔ اور اب تک ہلکے سے نشان اس کے باقی ہیں +

غرض شق القمر کا نظارہ جس رنگ میں بھی دکھایا گیا تھا۔ درحقیقت ایک پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ جو عربوں کے نظامِ حکومت کی تباہی کی خبر دے رہی تھی۔ اسی کی وضاحت قرآن کریم نے اِس آیت میں کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ چاند پھٹ گیا ہے۔ جسکے یہ معنے ہیں کہ عرب حکومت کا وقتِ آخر آگیا۔ اور اسکی جگہ جلد ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت جاری کر کے روحانی قیامت برپا کر دی جائے گی +

کیونکہ لکھا ہے کہ جو اسکی باتیں نہ سُنے گا۔ "میں اس کا حساب اس سے لُونگا۔"

اس پیشگوئی کی موجودگی میں نہیں کہا جا سکتا۔ کہ حضرت مسیح کا منشاء یہ تھا کہ مادی نظام شمسی کے قیام تک موسوی شریعت قائم رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کا منشاء یہی تھا کہ جب تک دوسرا نظام رُوحانی قائم نہیں ہوتا۔ موسوی شریعت کا ہی دَور دَورہ رہے گا۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا +

مسیح موعود کے لئے قرآن میں لفظِ قیامت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے لئے بھی قرآن کریم میں قیامت کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۚ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ (سورۃ قیامۃ ع ۱)

فرماتا ہے کافر جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قیامت کوئی نہیں۔ اور مُردے دوبارہ زندہ نہیں ہونگے۔ یہ بالکل غلط ہے اور ہم اسکے لئے شہادت کے طور پر یوم قیامت اور نفس لوّامہ کو پیش کرتے ہیں۔

اب یہاں یقینی طور پر یوم قیامت سے مُراد دُنیا کا کوئی واقعہ ہے۔ کیونکہ یوم قیامۃ اور نفس لوامّہ دو چیزوں کو مُردے جی اُٹھنے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگر یوم قیامت سے دُنیا کی ہلاکت کے بعد کا یوم قیامت مُراد ہو تو یہ گواہی بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو امر مرنے کے بعد ظاہر ہو گا۔ اس سے اس دُنیا کے لوگ اپنے ایمان کی درستی میں کیا مدد لے سکتے ہیں۔ بحث تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ کیا مُردے پھر جی اُٹھیں گے؟ اور معترضین کو یہ کہہ کر تسلی دلائی جاتی ہے۔ کہ مُردوں کے جی اُٹھنے میں تم کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ کیا قیامت کا دن اس پر شاہد نہیں ہے؟ اس دلیل سے کونسا انسان فائدہ اُٹھا سکتا ہے؟ جب قیامت آئے گی۔ اس وقت تو سب انسان ختم ہو چکے ہوں گے۔

معنوں کا ثبوت ملتا ہے۔ متی باب ۵۔ آیت ۱۸ میں لکھا ہے :-

"کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔"

اِس آیت میں آسمان و زمین سے مُراد موسوی نظام ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک موسوی سلسلہ کا زمانہ ہے۔ توریت کی تعلیم کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ ہاں جب یہ سلسلہ مٹ جائے گا تب بیشک یہ تعلیم قابل عمل نہ رہیگی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن کریم نے آکر توریت کی تعلیم کو منسوخ کر دیا۔ اور توریت میں بھی لکھا ہے کہ موسیٰ کے بعد ایک اَور شریعت آنے والی ہے۔ چنانچہ استثنا باب ۱۸۔ آیت ۱۸ و ۱۹ میں لکھا ہے:

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اَور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرے نام سے کہے گا نہ سنے گا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لُونگا"۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) یہودیوں کے لئے ایک اور نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ "میں اُن کے لئے ایک نبی مبعوث کرونگا"۔

(۲) وہ موسیٰ کی طرح صاحبِ شریعت ہوگا۔ کیونکہ لکھا ہے "تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔" +

(۳) وہ نبی بنو اسماعیل میں سے ہوگا۔ نہ کہ بنو اسرائیل میں سے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ نبی "ان کے بھائیوں میں سے" ہوگا نہ کہ ان میں سے +

(۴) یہود کے لئے اسکی اطاعت فرض ہوگی۔ کیونکہ لکھا ہے کہ ان کے لئے وہ نبی مبعوث ہوگا +

(۵) اگر یہود اسکی باتیں نہ مانیں گے تو تباہ کئے جائینگے اور انکی قیامت آجائیگی

کا انکشاف کثرت سے ہوگا۔ اور چاند کو گرہن لگے گا۔ اور سورج کو بھی اس فعل میں اس کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا۔ یعنی چاند گرہن کے بعد اسی ماہ میں سورج کو بھی گرہن لگے گا۔ اس وقت انسان کہے گا کہ اب میں کہاں بھاگ کر جا سکتا ہوں؟ +

جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔ اِن آیات میں ایک ایسے زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب انسان خدا سے بھاگ رہا ہوگا۔ یعنی دہریت کی کثرت ہوگی۔ اور قیامت کا انکار زوروں پر ہوگا۔ اور علومِ ظاہری ترقی کر رہے ہونگے۔ اور انسانی نظر غوامضِ قدرت کے معلوم کرنے میں بہت تیز ہو جائے گی۔ اور چاند اور سورج کو گرہن ایک ہی ماہ میں لگیگا۔

اِس آخری علامت کے متعلق احادیث میں وضاحت موجود ہے جس سے اس زمانہ کی مزید تعیین ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی کے لئے ایک ایسا نشان ظاہر ہونے والا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے کسی ماموُر من اللہ کے لئے ظاہر نہیں ہوُا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کو گرہن کے ایام کی پہلی تاریخ میں۔ اور سُورج کو گرہن کے ایام کی درمیانی تاریخ میں گرہن لگے گا +

اس حدیث کے مضمون کی روشنی میں جب آیاتِ مذکورہ بالا کو دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں مہدی مسعود کا ذکر ہے اور اسی کے زمانہ کو قیامت کا دن قرار دے کر قیامتِ کبریٰ کے لئے یعنی جب مُردے جی اٹھیں گے۔ ایک دلیل اور نشان قرار دیا ہے +

قیامت کبریٰ کے دو نشان

جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں۔ قیامت کبریٰ کے لئے دو نشان بتائے گئے ہیں۔ ایک وہ یوم القیامۃ جس میں نظر تیز ہو جائیگی اور چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ اور دوسرا نفسِ لوّامہ۔ نفس لوّامہ کی گواہی تو ہر زمانہ میں حاصل ہے۔ اور ہر زمانہ کے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اس خاص یوم قیامۃ کی گواہی سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو آخری زمانہ میں ہوں۔ اس واسطے دونوں زمانوں کے لوگوں کے ایمان کی زیادتی کے لئے دونوں قسم کی دلائل دی گئیں۔ بلکہ اگر گہرا

پھر یہ دلیل کس کے ایمان کو نفع دیگی؟ اعتراض تو زندہ لوگوں کو ہے۔ انکے لئے نفع مند دلیل تو وہی ہوسکتی ہے جو اسی دُنیا میں ظاہر ہو ✦

پس اس جگہ قیامت کے دن سے مُراد کوئی ایسی ہی چیز ہونی چاہیئے۔ جو اسی دُنیا میں ظاہر ہونے والی ہو۔ تاکہ منکرانِ قیامت پر اس کے ذریعہ سے حجت بھی ہو۔ اور ان کے ایمان کے لئے بھی اس سے راستہ کھُلے۔ عالمگیر قیامت کا دن تو اسی وقت دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ جبکہ بعض لوگ خود قیامت کے دن اس کے وجود سے انکار کریں۔ اس وقت بیشک یہ دلیل معقول ہوسکتی ہے۔ کہ تم مرکر دوبارہ زندہ ہوئے۔ پھر کس طرح قیامت کا انکار کرسکتے ہو۔ لیکن اس دُنیا میں وہ کسی صورت میں بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ پس جن لوگوں نے اس جگہ مُراد قیامتِ کبریٰ کے معنے لئے ہیں یا تو انھوں نے صرف ایک منفرد آیت کے معنے کر دیئے ہیں۔ اور انکی یہ مُراد نہیں کہ سیاق و سباق کو ملا کر بھی اس آیت کے یہ معنے ہیں۔ اور یا پھر سیاق و سباق پر انھوں نے غور نہیں کیا ✦

حقیقت یہ ہے کہ یہ دُنیا کا ہی ایک واقعہ ہے جو قیامتِ کبریٰ کی دلیل ہے جسے نفس لوّامہ کے ساتھ ملاکر جو قیامت بعد از ممات کا دوسرا ثبوت ہے۔ بیان کیا گیا ہے۔ دو دلیلیں اس لئے دی گئی ہیں کہ معترضین مختلف زمانوں سے تعلق رکھ سکتے ہیں۔ پس ہر ایک زمانہ کے انسان کے لئے دلیل مہیّا کر دی گئی تا ہر ایک فائدہ اُٹھا سکے۔ مثلاً مکّہ والوں کے سامنے قیامت کی دلیل میں نفس لوّامہ کو پیش کیا گیا ہے۔ اور آخری زمانہ کے مُنکرانِ قیامت کے سامنے آخری زمانہ کے اس واقعہ کو جو قیامت کُبریٰ سے مشابہت کی وجہ سے قیامت کہلانے کا مستحق ہے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا مزید ثبوت اگلی آیات میں مہیّا ہے اور وہ ثبوت مندرجہ ذیل آیات ہیں :۔

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ (سورۃ قیامۃ ع) ✦

جب انسانی نظر تیز ہو جائیگی۔ یعنی مشاہدہ سے زیادہ کام لیا جانے لگے گا۔ اور امراضِ طبعیۃ

کی قدرت کو دیکھ کر قیامت کے وجود کو کیونکر ناممکن قرار دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جب پہلی قیامت کا ظہور ہوگا سمجھدار انسان کہے گا۔ کہ اب بھاگنے کی کونسی جگہ ہے۔ یعنے اس حجت کو دیکھ کر کوئی عقلمند انسان ایک زبردست ہستی کا انکار نہیں کر سکے گا جس کے قبضہ میں سب کارخانۂ عالم ہے۔ اور جسے طاقت ہے کہ جو چاہے کرے۔ اور جو عالم الغیب ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں +

ہر نئے نبی کے زمانہ میں نئے آسمان و زمین کی تخلیق پر مسیح موعود کی شہادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی آئینۂ کمالاتِ اسلام کے صفحہ ۵۶۶ پر لکھتے ہیں :-

" وَ اُلْقِیَ فِیْ قَلْبِیْ اَنَّ اللّٰہَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْلُقَ اٰدَمَ فَیَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ یَخْلُقُ کُلَّ مَا لَا بُدَّ مِنْہُ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرَضِیْنَ ثُمَّ فِیْ اٰخِرِ الْیَوْمِ السَّادِسِ یَخْلُقُ اٰدَمَ وَکَذٰلِکَ جَرَتْ عَادَتُہٗ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۔"

کہ خدا تعالیٰ نے میرے دل پر یہ بات نازل کی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جب بھی آدم کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کرتا ہے۔ اور ہر ضروری چیز کو آسمان و زمین میں بناتا ہے۔ پھر چھٹے دن کے آخر میں آدم کو پیدا کرتا ہے۔ اور یہی اللہ تعالےٰ کی سنت پہلے زمانوں میں تھی۔ اور آخری زمانہ میں بھی وہ ایسا ہی کرے گا۔" +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اولوالعزم نبی کے زمانہ میں ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین پیدا کی جاتی ہے۔ گویا رُوحانی طور پر دُنیا بدل دی جاتی ہے۔ اور پہلے نظام پر تباہی آکر ایک روحانی قیامت کے ذریعہ سے ایک نئی زندگی دُنیا کو بخشی جاتی ہے +

حضرت مسیح موعود کا ایک کشف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کشف بھی ہے کہ میں نے دیکھا۔ میں اللہ تعالیٰ میں محو

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہے ہی زیادہ تر موجودہ زمانہ کے متعلق۔ اور نفسِ لوّامہ کی دلیل بھی زیادہ تر آخری زمانہ کے لوگوں ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی زمانہ میں علم النفس نے خاص ترقی کی ہے۔ اور خیر و شر کے مسائل پر نہایت تفصیلی بحثیں انسانی دماغ کی بناوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوئی ہیں۔ اور یہی زمانہ ہے جس میں یہ دلیل زیادہ کارآمد ہوسکتی ہے کہ انسانی دماغ میں ایک حس ہے جو بعض امور کو بُرا اور بعض اچھا قرار دیتی ہے قطع نظر اس کے کہ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا ہے اگر صرف اسی امر کو دیکھا جائے کہ اچھے یا بُرے کا احساس انسانی نفس میں پایا جاتا ہے اور بعض حد بندیوں یا قیود کو وہ ضروری قرار دیتا ہے۔ تو بھی اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان کسی نہ کسی رنگ میں جزاء و سزا کے ساتھ وابستہ ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتا۔ اور یہ احساس اور اس کا طبعی باعث یوم القیامت اور بعث بعد الموت پر ایک زبردست شاہد ہے۔ اگر کوئی آخری حساب و کتاب نہیں تو طبع انسانی میں افعال اور کسی اچھی چیز کے لئے خواہ وہ کچھ ہی ہو کوشش کا احساس کیوں پایا جاتا ہے؟

نیز آیات مذکورہ بالا میں بعث بعد الموت کے ثبوت میں بعثِ دنیوی کو پیش کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اسلام پر ایک زمانہ میں پھر موت آنے والی ہے۔ جبکہ اسلام کی تعلیم تو زندہ ہوگی مگر مسلمان اسے چھوڑ بیٹھیں گے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ ایک مامور اور خادمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پھر اسے زندہ کرے گا۔ اور یہ قیامت کا ایک زبردست ثبوت ہوگا۔ کیونکہ سوائے خدا کے کون تیرہ سو سال پہلے اسلام کے نشأۃ اُولیٰ کی اور پھر اس پر جمود کی حالت طاری ہو جانے کی اور پھر دوسری دفعہ اس زمانہ میں احیاء کی خبر دے سکتا ہے جبکہ چاند اور سورج کو ایک خاص مہینہ میں ایک مدعی کے زمانہ میں گرہن لگے گا۔ اور دُنیا ظاہری علوم سے پُر ہوگی۔ اور دہریت کا غلبہ ہوگا؟ اور جب قرآن کریم کی بتائی ہوئی قیامت تیرہ سو سال بعد آجائیگی تو ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کا خدا عالم الغیب بھی ہے اور قادر بھی۔ پھر اس عالم الغیب خدا کی اس خبر کو لوگ کس طرح جھٹلا سکتے ہیں جو مابعد الموت کے متعلق ہے اور اس قادر خدا

مذہبی تحریکات

کے بڑے بڑے دَور کون سے ہیں ؟

اس تمہید کے بعد میں بتاتا ہوں کہ دنیوی تمدن اور تہذیب کے ادوار کے مقابل پر الٰہی تہذیب کے جو دَور گذرے ہیں وہ کیا تھے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ :-

دورِ آدم کا پیغام

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ نسلِ انسانی کیلئے سب سے پہلا دور آدمؑ کا تھا۔ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السّلام کی نسبت آتا ہے :-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرہ ع ۴)

اس سے ظاہر ہے کہ آدم وہ پہلے نبی تھے جنہوں نے تمدن کی بُنیاد ڈالی۔ اور نظام کو قائم کیا۔ مگر اس جگہ آدم سے مُراد وہ آدم نہیں جن سے انسانی نسل چلی۔ بلکہ وہ آدم مُراد ہیں جن سے تمدّن کا دَور چلا۔ یعنی اِس سے پہلے انسان تمدن کے اس مقام تک نہیں پہنچا تھا کہ شریعت کا حامل ہوتا۔ بلکہ ابھی وہ متمدن بھی نہیں تھا۔ اور نہ اس قابل تھا کہ انسان کہلاتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک اعلیٰ حیوان کہلانے کا مستحق تھا۔

مَیں اس بات کا قائل نہیں کہ بندر سے انسان بنا ہے۔ اور مَیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کو غلط ثابت کرسکتا ہوں۔

انسانی پیدائش ارتقاءِ مستقل سے ہوئی

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی ترقی ارتقاء کے اصول کے مطابق ہوئی ہے۔ اُس وقت انسان کی ایسی ہی حالت تھی جیسے بچّہ کی۔ اب اگر کوئی چار سالہ بچّہ کو کہے کہ تُو روزہ رکھ۔ تو اسے ہر شخص

ہو گیا ہوں۔ اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشائے حق کے مطابق اس کی ترتیب اور تفریق کی۔ اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمانِ دُنیا کو پیدا کیا۔ اور کہا اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔ پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہو گئی اور میری زبان پر جاری ہوا۔ اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔

(کتاب البریہ صفحہ ۷۸ و ۷۹)

اِس کشف سے بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کا ایک خاص مشن ہوتا ہے۔ اور وہ ایک ایسے تغیّر کے لئے آتا ہے جو سابق نظام کے مقابل پر نئی زمین اور نیا آسمان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ہاں جب نئی شریعت آئے۔ تو وہ پہلی شریعت کے مقابل پر نئی زمین اور نیا آسمان کہلاتی ہے کیونکہ خَیْرٌ مِّنْهَا ہوتی ہے۔ اور اگر پہلی شریعت کے قیام ہی کے لئے کوئی نبی آئے تو اسکی بعثت کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کے زمانہ میں دُنیا میں جو تہذیب اور تمدن قائم ہوتا ہے۔ اسے تباہ کر کے پھر نئے سرے سے مذہب کی حقیقی حکومت دُنیا میں قائم کرے۔ اور انہی معنوں میں وہ ایک نیا آسمان اور نئی زمین بناتا ہے۔ یعنی گو دین جسے وہ قائم کرتا ہے پُرانا ہوتا ہے مگر دُنیا کی نگاہوں میں وہ نیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہ دُنیا سے مٹ چکا ہوتا ہے اور اسکی جگہ کوئی اور تہذیب قائم ہو چکی ہوتی ہے ‡

بیشک خلیفہ کے لفظ سے یہ استنباط ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق فساد کرنے والی بھی ہوگی۔ لیکن اگر یہ آدم نسلِ انسانی کا بھی پہلا فرد تھا تو پھر بھی یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کہ فساد تو کبھی آیندہ زمانہ میں آدم کی اولاد نے کرنا تھا۔ پھر آدم کو خلیفہ کس غرض اور کس کام کے لئے بنایا گیا تھا؟ اور اگر خلیفہ کا وجود بغیر فساد کے بھی ہو سکتا ہے تو پھر فرشتوں کے اعتراض کی بُنیاد کیا تھی؟

غرض اس تشریح سے جو گو غیر معقول نہیں اِس سوال کا جواب نہیں آتا کہ فرشتوں کو اس سوال کا خیال کیوں پیدا ہوا۔ اور یہ معنے اِس آیت کے معانی میں سے ایک معنی تو کہلا سکتے ہیں۔ مگر مکمل معنے نہیں کہلا سکتے +

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ فرشتوں نے کہا۔ جو قویٰ تو نے آدم میں رکھے ہیں۔ انکے ماتحت ہمیں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ضرور فساد کریگا۔ اور لوگوں کے خون بہائے گا۔ حالانکہ آدم اگر خدا تعالےٰ کا نبی تھا تو اس نے وہی کچھ کرنا تھا جو خدا تعالےٰ اسے حکم دیتا۔ اس کے خلاف عمل وہ کر ہی نہیں سکتا تھا +

اس آیت کے معنے کرتے ہوئے یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ بادی النظر میں اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ جس فعل کو فرشتے عجیب خیال کرتے ہیں۔ وہ خود آدم کا فعل ہے نہ کسی دوسرے شخص کا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کیا تُو اس دُنیا میں ایسے وجود کو پیدا کرنے لگا ہے جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اور دوسرا امر الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ فساد اور خونریزی خود خلافت کے مفہوم سے ہی ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ جس فساد کی طرف فرشتے اشارہ کرتے ہیں وہ کوئی ایسا فعل ہے جو خلیفہ بنانے کی اغراض میں شامل ہے۔ گویا فرشتوں کو اللہ تعالےٰ کے الفاظ ہی سے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ آدم سے کوئی ایسا کام کروائے گا۔ جو بظاہر فساد اور سفکِ دم نظر آتا ہے۔ جس پر وہ تعجب کرتے ہیں کہ خدا کا خلیفہ اور فساد اور سفکِ دم کا مرتکب؟ یہ کیسی عجیب بات ہے؟

پاگل سمجھے گا۔ اسی طرح ابتداء میں انسان کی ایسی حالت تھی۔ کہ وہ ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ شریعت کا حامل ہوتا +

دَورِ اوّل کی حقیقت

پس ایک زمانہ انسان پر ایسا آیا ہے۔ کہ جب وہ گو انسان ہی کہلاتا تھا مگر ابھی وہ حیاتِ دائمی پانے کا مستحق نہیں تھا۔ جب اس حالت سے اس نے ترقی کی۔ اور اس کا دماغ اس قابل ہوگیا کہ وہ قانونِ شریعت کا حامل ہوسکے تو پہلا قانون جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُترا۔ وہ یہ تھا کہ مِل کر رہو۔ اور ایک افسر کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا قانون لانے والا سادہ عبادت الٰہی کے علاوہ صرف یہی پیغام لے کر آیا تھا۔ کہ تم عائلی اور تمدّنی زندگی اختیار کرو۔ تمہارا ایک حاکم ہونا چاہیئے۔ تمہیں اسکی اطاعت کرنی چاہیئے۔ تم اپنے مقدمات اس کے پاس لے جاؤ۔ اس سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کراؤ۔ اور ہر بات قانون کے ماتحت کرو۔ اور وہ پہلا انسان جس نے یہ قانون قائم کیا۔ اُس کا نام آدم تھا +

اور جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے آدم کو دیکھیں تو وہ تمام اعتراضات حل ہوجاتے ہیں۔ جو اس سے پہلے آدم کے واقعہ پر ہُوا کرتے تھے۔ مثلاً یہ جو آتا ہے کہ فرشتوں نے کہا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۔ کہ کیا تُو اب زمین میں ایک ایسا شخص کھڑا کرنے والا ہے جو فساد کرے گا اور لوگوں کا خون بہائیگا؟ اسپر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ فرشتوں کو کیونکر پتہ لگا کہ آدم کے ذریعہ سے خون بہیں گے۔ جبکہ آدم ابھی پیدا ابھی نہ ہُوا تھا؟

اس کے کئی جواب دیئے جاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ چونکہ حاکم فساد کو دُور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ فرشتوں نے سمجھ لیا۔ کہ ضرور کوئی فساد کرنے والے بھی ہونگے۔ اس وجہ سے انھوں نے یہ سوال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیا۔ کہ کیا فسادی لوگ بھی دنیا میں پیدا کئے جائیں گے کہ جن کو حدود کے اندر رکھنے کے لئے آدم کی پیدایش کی ضرورت ہے؟

چونکہ اس سے پہلے نظام حکومت کی مثال نہ تھی۔ یہ امر فرشتوں کو عجیب معلوم ہؤا۔ اسی طرح جس طرح بعض لوگ جو حقیقت حال سے واقف نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں پر اعتراض کرتے ہیں یا بعض قتل کی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس فرشتوں کا سوال آدم کے افعال ہی کے متعلق ہے۔ جو وہ بحیثیت حاکم وقت کرنے والا تھا۔ اور انہیں یہ امر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ وہ افعال یعنی جنگ اور قتل جو پہلے گناہ سمجھے جاتے تھے۔ اب ان کو بعض حالتوں میں جائز سمجھا جائے گا۔ اور وہ کہتے ہیں۔ الٰہی! آپ ایک ایسا خلیفہ مقرر کرتے ہیں اور ایسے کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔ کہ جو پہلے ناجائز تھے۔ اللہ تعالےٰ ان کو جواب دیتا ہے کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ تم نہیں جانتے کہ اس نظام میں کیا خوبیاں ہیں۔ گو بظاہر حکومت کے قیام سے بعض قسم کے جبر کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور انفرادی آزادی میں فرق آتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہ جبر اور قواعد فرد کے لئے بھی اور قوم کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں +

یہ ظاہر ہے کہ جو معنے میں نے کئے ہیں۔ ان کو مدنظر رکھتے ہوئے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا فقرہ عبارت میں نہایت ہی عمدہ طور پر چسپاں ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے معنوں کے رو سے اس میں کسی قدر تکلف پایا جاتا ہے۔ یا کم سے کم وہ معنے ایک دوسرے معنوں کے محتاج رہتے ہیں +

تمدن کی حقیقت

یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں تمدن کے معنی ہی یہ ہیں۔ کہ خون اور فساد کی بعض جائز صورتیں پیدا کی جائیں۔ چنانچہ دیکھ لو۔ زید قتل کرتا ہے۔ اور وہ دنیا کے نزدیک قاتل قرار پاتا ہے۔ مگر جب اسی زید کو گورنمنٹ پھانسی دیتی ہے۔ تو وہ قاتل نہیں بنتی۔ بلکہ اس کا فعل جائز اور مستحسن سمجھا جاتا ہے +

اسی طرح لوگ اگر کسی کے مکان یا جائداد پر قبضہ کرلیں۔ تو سب کہیںگے یہ فسادی ہیں۔ مگر گورنمنٹ ملکی ضرورت کے ماتحت اگر جائداوں پر قبضہ کرلے۔ تو یہ فعل لوگوں کی نظر میں جائز سمجھا جاتا ہے +

سوال کے اِن پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر دیکھو۔ تو آدم کا جو مقام مینے ظاہر کیا ہے اس کے ساتھ اس سوال کو پوری تطبیق حاصل ہے۔ مینے بتایا ہے کہ آدم جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہے۔ نسلِ انسانی کا پہلا باپ نہیں بلکہ شریعت کے ادوار کے پہلے دَور کا مُؤسِّس ہے۔ اور جیسا کہ قرآن سے استنباط کرکے مینے بتایا ہے۔ وہ دَور دورِ تمدّن تھا۔ یعنی اس دَور میں پہلی دفعہ تمدّن کو دنیا سے روشناس کرایا گیا تھا۔ آدم سے پہلے انسان تمدّن اور نظام کا جُوآ اپنی گردن پر اُٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ مگر اس وقت چونکہ انسان میں یہ قابلیت پیدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے اصلح وجود کو نبوّت کا مقام دیکر دَورِ تمدّن کا بانی بنایا۔ اس کے اجراء کا حکم دیا۔ اسی دَور میں عورت اور مرد میں زوجیّت کے اصول پر رشتۂ اتحاد کا رواج ڈالا گیا۔ ورنہ جیسا کہ ظاہر ہے چونکہ اس سے پہلے انسان میں تمدّنی قواعد کی اطاعت کا مادہ نہ تھا۔ اس وقت تک ازدواج کے متعلق کوئی اصول مقرر نہ تھے۔

تخلیق آدم پر فرشتوں کے سوال کی وجہ

اس نقطہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد فرشتوں کے سوال کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جب تک تمدّنی نظام نہ ہو۔ ہر قسم کا قتل اور غارت ایک بُرائی کا رنگ رکھتا ہے۔ اور گناہ کہلاتا ہے۔ لیکن جونہی نظامِ حکومت قائم ہو۔ بعض قسم کی لڑائیاں اور قتل جائز اور درست ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ حکومت کی اطاعت نہ کرتے ہوں۔ انکے خلاف جنگ جائز سمجھی جاتی ہے۔ جو فساد کرتے ہوں۔ ان کا قتل جائز سمجھا جاتا ہے۔ اور تمام حکومتیں ایسا کرتی ہیں۔ بلکہ ایسا کرنے پر مجبور رہیں +

پس جب آدم کے خلیفہ فی الارض بنانے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ تو ملائکہ نے حکومت کے تمام پہلوؤں پر نظر کی۔ اور ان کو یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ کہ قتل اور خون اور جنگ کی ایک جائز صورت بھی ہے اور آدم سے بعض دفعہ یہ افعال صادر ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ کی نظر میں اس کا یہ فعل پسندیدہ سمجھا جائیگا نہ کہ بُرا۔ اور

شخص کسی کو قتل کرے اُسے قتل کیا جائے۔ تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ یہ کیا ہوا۔ کہ ایک کے لئے مارنا جائز ہے اور دوسرے کیلئے ناجائز۔ ایک کے لئے لُوٹ گھسوٹ جائز ہے۔ اور دوسرے کے لئے لُوٹ گھسوٹ ناجائز۔ گورنمنٹ ٹیکس لے لے۔ تو یہ جائز ہو۔ مگر دوسرا کوئی شخص زبردستی کسی کا روپیہ اُٹھالے تو اِسے ناجائز کہا جائے +

گویا وہ سارے افعال جن کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ انہیں جب حکومت کرتی ہے۔ تو اس کا نام تہذیب رکھا جاتا ہے اور کوئی ان پر بُرا نہیں مناتا۔ لیکن افراد وُہی فعل کریں تو اسے بُرا سمجھا جاتا ہے +

تمدن کے قیام پر اعتراضات

غرض جب فرشتوں کو اللہ تعالےٰ نے بتایا کہ اب دُنیا میں نظام قائم ہونے والا ہے۔ تو وہ بہت حیران ہوئے۔ اور انہوں نے سوچا کہ اس نئے قانون کے ماتحت اگر آدم خون کرے گا تو کہا جائے گا کہ یہ بڑا نیک ہے۔ اگر آدم لوگوں سے زبردستی ٹیکس لے گا۔ تو کہا جائے گا کہ یہ بڑا شریف ہے۔ یہ عجیب فلسفہ ہے +

آج ہم اس سوال کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن جب یہ قانون نیا نیا جاری ہوا ہوگا۔ لوگ سخت حیرت میں پڑ گئے ہونگے۔ اب بھی جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے۔ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اس قانون پر معترض ہیں۔ چنانچہ وحشی قبائل اب تک کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کیوں قتل کرتی ہے؟ اگر کوئی شخص ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا۔ تو ہم خود اسے قتل کرینگے۔ گورنمنٹ کو خواہ مخواہ درمیان میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور انہیں تسلی نہیں ہوتی۔ جبتک خود انتقام نہ لے لیں۔ یہ انسانی دماغ کی ابتدائی حالت تھی اور بوجہ تعلیم کی کمی کے آج بھی بعض لوگوں کے اندر پیدا ہو جاتی ہے +

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فرشتے اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ نسلِ آدم کی پیدائش سے قتل اور خون ہوگا بلکہ اس پر کہ انسانوں پر ایک ایسا شخص مقرر کیا جائے گا

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو حبس بے جا میں رکھے تو یہ ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن گورنمنٹ اگر کسی کو نظربند کرے اور فردی آزادی میں دخل اندازی کرے تو یہ جائز بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے +

پس جب خدا نے کہا۔ کہ ہم دُنیا کو متمدّن بنانے والے ہیں۔ اور ہم ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنانے والے ہیں۔ جو قانون نافذ کرے گا۔ جو قانون کے ماتحت بعض لوگوں کو قتل کی سزا دیگا۔ جو قانون کے ماتحت بعض لوگوں کی جائدادوں پر زبردستی قبضہ کرے گا۔ جو قانون کے ماتحت فردی آزادی میں دخل انداز ہوگا۔ تو چونکہ یہ ایک بالکل نئی بات تھی۔ اس لئے فرشتوں نے اس پر تعجب کیا۔ اور وہ حیران ہوئے کہ اس سے پہلے تو قتل کو ناجائز قرار دیا جاتا تھا۔ مگر اب قتل کی ایک قسم جائز ہو جائیگی پہلے فساد کو ناجائز قرار دیا جاتا تھا۔ مگر اب فساد کی ایک قسم جائز ہو جائے گی +

یہ نقطۂ نگاہ ابتدائی زمانہ کے لحاظ سے لوگوں کے لئے نہایت ہی اہم تھا۔ بلکہ یہ اعتراض آج بھی دُنیا میں ہو رہا ہے۔ چنانچہ یورپ میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو پھانسی کی سزا کے مخالف ہے۔ اور وہ اسکی دلیل یہی دیتے ہیں کہ جب کسی کو قتل کرنا ناجائز ہے۔ تو حکومت کسی آدمی کو کیوں قتل کرتی ہے ؟ حالانکہ حکومت صرف پھانسی ہی نہیں دیتی اور کئی قسم کے افعال جو بعض گناہوں سے شکل میں مشارکت رکھتے ہیں۔ حکومت کرتی ہے۔ مثلاً ٹیکس لیتی ہے۔ اور اگر پہلا خیال درست ہے۔ تو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ٹیکس کی وصولی چونکہ ڈاکہ اور چوری کے مشابہ ہے۔ اسے بھی ترک کر دینا چاہیئے۔ لیکن یہ لوگ ٹیکسوں پر اعتراض نہیں کرتے۔ پس معلوم ہُوا کہ ان لوگوں کا پھانسی پر اعتراض محض ایک وہم ہے اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔

ابتدائی زمانہ میں چونکہ ابھی بادشاہت کا طریق جاری نہیں تھا۔ دُنیا تمدّن سے کوسوں دُور تھی۔ اس لئے جب کوئی شخص کسی کو مارتا۔ تو سمجھا جاتا۔ کہ اس نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ جب وہ کسی کو لُوٹتا۔ تو ہر کوئی کہتا کہ یہ نہایت کمینہ حرکت کی گئی ہے۔ مگر جب خدا تعالےٰ نے بادشاہت قائم کی اور یہ قانون جاری ہُوا۔ کہ جو

ننگا رہنے سے ہوا لگتی ہے۔ اور مزا آتا ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہماری آزادی میں کوئی اور مداخلت کرے ✦

چنانچہ برطانوی تصرف کی ابتداء میں جب ننگے حبشی افریقہ کے شہروں میں داخل ہونے کے لئے آتے تو شہر کے دروازوں پر حکومت کی طرف سے افسر مقرر ہوتے تھے وہ انہیں تہ بند دے دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تہ بند پہنکر شہر جا سکتے ہو ننگے نہیں جا سکتے۔ اس پر وہ تہ بند باندھ تو لیتے۔ مگر اِدھر اُدھر دیکھتے بھی جاتے کہ کہیں کوئی حبشی انکی اس بے حیائی کو تو نہیں دیکھ رہا۔ اور جب وہ ایک دوسرے کو دیکھتے۔ تو آنکھیں بند کر لیتے۔ کہ ایسی بے حیائی ہم سے دیکھی نہیں جاتی۔ پھر جب شہر سے نکلتے۔ تو جلدی سے تہ بند افسر کی طرف پھینک کر بھاگ جاتے ✦

بلکہ اب تو یورپ میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو ننگے رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی ننگا رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ بلکہ ایک دفعہ تو اس بات پر لڑائی ہو گئی۔ کہ وہ لوگ زور دیتے تھے کہ ہم ننگ دھڑنگ شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اور پولیس یہ کہتی کہ کپڑے پہن کر آؤ۔ وہ کہتے۔ تم ہوتے کون ہو جو ہماری آزادی میں دخل دیتے ہو؟ تم آنکھیں بند کر لو۔ اور ہماری طرف نہ دیکھو۔ مگر تم ہمیں مجبور کیوں کرتے ہو کہ ہم ضرور کپڑے پہنیں؟ آخر جب جھگڑا بڑھا۔ تو پولیس کو گولی چلانی پڑی ✦

یہ بھی یورپ کے تنزّل کی ایک علامت ہے کہ اب وہاں کے ایک طبقہ کی دماغی طاقتیں بالکل کمزور ہو گئی ہیں۔ یورپ میں بعض کلبیں ایسی ہیں کہ ایسا شخص کسی صورت میں بھی ان کا ممبر نہیں بن سکتا۔ جو کپڑے پہنکر نہاتا ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک ابھی وہ شخص پورا مہذب نہیں ہوا ✦

مَیں نے اسی کے متعلق ایک کتاب بھی پڑھی ہے۔ جس میں ایک ڈاکٹر لکھتا ہے کہ

جو یہ بُرے افعال کرے گا۔ اور اس کے ان افعال کو جائز قرار دیا جائے گا +

یہ ایک ایسا ذہنی انقلاب تھا۔ کہ اس وقت کے لحاظ سے اس کو دیکھ کر عقلیں چکرا گئی ہونگی۔ اور لوگوں پر اُس نظام کو تسلیم کرنا کہ ایک شخص ان کے مالوں پر ان کی مرضی کے خلاف قبضہ کرے اور ان میں سے بعض کو پھانسی تک دے سکے اور اس کا یہ فعل جائز قرار دیا جائے۔ سخت ہی گراں گزرتا ہوگا وہ کہتے ہوں گے کہ ہم نے ایک شخص کو مار دیا ہے تو یہ اس کے رشتہ داروں کا معاملہ۔ وہ جانیں اور ہم جانیں۔ یہ شخص بیچ میں کُودنے والا کون ہے۔ چنانچہ آج بھی ناقص الخلقت لوگ انہی وہموں میں پڑے رہتے ہیں۔ اور حکومتوں میں خلل ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ بلجیئم نے تو غالبًا پھانسی کی سزا اُڑا ہی دی ہے۔ اور وہ محض اسی نقطۂ نگاہ سے اُڑائی ہے جو مَیں نے بتایا ہے +

اگر وہ لوگ جن کے کہنے پر پھانسی کی سزا اُڑائی گئی۔ میرے سامنے ہوتے تو مَیں انہیں کہتا۔ کہ پھانسی کی سزا تم مٹاتے ہو۔ تو ٹیکس کا طریق کیوں نہیں اُڑاتے۔ وہ بھی تو دوسروں کے اموال پر ناجائز تصرّف ہے +

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس قسم کے خیالات اس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ یُورپ کے دماغوں میں تنزّل پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اور دراصل حکومتوں میں خلل ایسے ہی ناقص الخلقت لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اب چونکہ تمدّن کا خیال راسخ ہو گیا ہے۔ اب یہ خیال تو نہیں آتا۔ کہ حکومت سرے سے اُڑا دی جائے۔ ہاں یہ خیال آتا ہے کہ شاید اسکی جگہ دوسری حکومت ہو۔ تو وہ ہمارے حقوق کا زیادہ خیال رکھے۔ اور اس وجہ سے تغیّر کی کوششیں کیجاتی ہیں مگر وحشی قبائل کی اب بھی یہی حالت ہے کہ وہ حکومت اور تمدّن کو ہر رنگ میں ناپسند کرتے ہیں۔ اور اسے برداشت کرنا اُنپر سخت گراں گزرتا ہے۔ اور وہ دوسروں کی دخل اندازی پر سخت حیران ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کے ننگا پھرنے پر اگر حکومت معترض ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ننگے پھرتے ہیں تو کسی کا کیا حق ہے کہ وہ ہمیں کپڑے پہنائے؟ ہمیں

اور دُھوپ کی تکلیف نہ اُٹھاؤ گے۔ اور یہی مذہبی حکومت کا فرض ہے کہ وہ مُلکی بہبودی کے سامان کرے۔ لوگوں نے غلطی سے قرآن کریم کی اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں کہ آدم ایسے مقام پر رکھا گیا تھا۔ جہاں نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس میں در اصل بتایا یہ گیا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کے لئے کام مہیا کرے۔ اگر کوئی کام نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے خوراک مہیا کرے۔ پانیوں اور تالابوں کا انتظام کرے اور مکانوں کا انتظام کرے۔ گویا کھانا۔ پانی۔ مکان اور کپڑا۔ یہ چاروں چیزیں حکومت کے ذمہ ہیں۔ اور یہ چاروں باتیں اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ۝ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی ۝ (طٰہٰ ۔ ع) میں بیان کی گئی ہیں۔ کہ اے آدم اگر لوگ اعتراض کریں۔ تو تُو انہیں کہدے۔ کہ حکومت کا پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ تم بھوکے نہیں رہوگے چنانچہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ خواہ کوئی جنگل میں پڑا ہو۔ اسکے لئے کھانا مہیا کرے۔ وَلَا تَعْرٰی اور پھر تم ننگے بھی نہیں رہوگے۔ کیونکہ تمہارے کپڑوں کی بھی حکومت ذمہ وار ہوگی۔ اسی طرح لَا تَظْمَؤُا میں بتایا کہ حکومت تمہارے پانی کی بھی ذمہ وار ہے۔ اور وَلَا تَضْحٰی میں یہ بتایا کہ تمہارے لئے مکانات بھی مہیا کئے جائیں گے اور جس حکومت میں یہ چاروں باتیں ہوں وہ نہایت اعلےٰ درجہ کی مکمل امن والی حکومت ہوا کرتی ہے +

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا۔ کہ بیشک انفرادی آزادی پر پابندی گراں ہے۔ لیکن تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ نظام کے لئے کچھ پابندیاں قبول کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ بھوک پیاس کا۔ نہ لباس و مکان کا۔ اور نہ دائمی امن یعنی جنّت کا انتظام ہو سکتا ہے۔ پس یہ قیود خود تمہارے فائدہ کے لئے ہیں +

غرض آدم کے وقت تک انسان کا دماغ پورا نشوونما نہیں پا چکا تھا اور تمدن بھی پورے ایجاد نہ ہوئے تھے۔ سوائے چند ایک کے۔ پس ان کے لئے کچھ احکام

میری بیوی ننگے مذہب میں شامل ہو گئی۔ مجھے یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اور میں نے اس پر سختی کرنی شروع کر دی۔ آخر ایک دن بیٹی نے مجھے کہا۔ ابا! ذرا چل کر دیکھو تو۔ کہ جن کو آپ بد تہذیب کہتے ہیں وہ کتنے مہذب اور شائستہ لوگ ہیں؟ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ ایک دن میری بیٹی مجھے زبردستی اس سوسائٹی میں لے گئی۔ جب میں وہاں پہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ ننگے پھر رہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر پہلے تو شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا۔ مگر پھر میں نے دیکھا کہ ان کے چہروں پر اتنی معصومیت برس رہی ہے کہ اسکی کوئی حد ہی نہیں۔ چنانچہ یہ دیکھتے ہی میرے خیالات بھی بدل گئے اور میں بھی کپڑے اتار کر اُن میں شامل ہو گیا +

غرض اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے ذریعہ سے پہلی دفعہ نسلِ انسانی میں تمدّن قائم کیا۔ اور فرمایا کہ تم میں سے بعض خواہ ننگے پھرنے کے قائل ہوں مگر ہم انہیں ننگا نہیں پھرنے دینگے۔ گویا انسانی حرّیت پر آدم نے بعض قیود لگا دیں اور اسے ایک قانون کا پابند کر دیا +

تمدّنی حکومت کے فوائد

آج آپ لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے اور ان پر ہنستے ہیں مگر جب پہلے پہل آدم نے یہ باتیں لوگوں کے سامنے پیش کی ہونگی تو میں سمجھتا ہوں۔ اس وقت خونریزیاں ہو گئی ہونگی۔ اور قوموں کی قومیں آدم کے خلاف کھڑی ہو گئی ہونگی +

جب آدم نے انہیں کہا ہو گا کہ کپڑے پہنو تو کئی قبائل کھڑے ہو گئے ہونگے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہو گا کہ حرّیتِ ضمیر کی حفاظت میں کھڑے ہو جاؤ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آدم اور اسکے ساتھیوں کو وہ دلائل بھی سکھائے۔ کہ کیوں نظام کی پابندی تمہارے لئے مفید ہوگی۔ فرماتا ہے۔ اے آدم! جب لوگ اعتراض کریں اور کہیں کہ اس تمدّنی حکومت کا کیا فائدہ ہے؟ تو تم انہیں کہنا کہ اگر تم اس جنّت نظام میں رہو گے تو بھوکے نہ رہو گے۔ ننگے نہ رہو گے۔ پیاسے نہ رہو گے

تھے کہ سب انسان ایک سے ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان میں سے اعلےٰ طاقتوں کا مالک ہے تو ضرور اسے کوئی اور طاقت جو انسانیت سے بالا ہے حاصل ہے۔ اس لئے ان لوگوں میں پہلا احساس شرک کا پیدا ہؤا۔ اور انہوں نے اپنے میں سے بعض کو خدائی طاقتوں سے متصف خیال کر لیا۔ اور یہہ خیال کرنے لگ گئے۔ کہ فلاں آدمی جو اتنا قابل اتنا مدبّر اتنا سمجھدار اور اتنا عالم تھا وہ آدمی نہیں بلکہ خدا تھا۔ اگر آدمی ہوتا تو اسکی قابلیتیں ہم سے زیادہ نہ ہوتیں۔ اور اس طرح شرک کی ابتدا ہوئی۔ جب مادۂ فکر کے ترقی کر جانے کے سبب سے ایک طرف تو شرک کی بیماری لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی۔ اور دوسری طرف انسان میں وہ گناہ پیدا ہونے لگے۔ جو تمدن کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے نوحؑ کو بھیجا +

گناہ کی ترقی کس طرح ہوئی

گویا یہ تہذیب الٰہی کا دوسرا دَور تھا۔ جو نوح سے شروع ہؤا۔ نوح اس وقت آئے جب صفاتِ الٰہیہ کا لوگوں کے دلوں میں احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اور صفاتِ الٰہیہ کے احساس کے بعد ہی شریعت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت نوح کے متعلق فرمایا کہ اول نبیٍّ شرعت علی لسانہ الشرائع کہ نوح وہ پہلا نبی تھا جس پر شریعت کا نزول ہؤا۔ اور تمدنی قواعد کو ایک باقاعدہ قانون کا رنگ چڑھایا گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں انسانی دماغ ترقی کر کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکا تھا۔ کہ اس کے لئے اس قسم کی رہنمائی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حدیث میں جو آتا ہے کہ اول نبیٍّ شرعت علی لِسانہ الشرائع اس کے مضمون کا قرآن شریف سے بھی پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (نساء عٔ۲۳) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تیری طرف جو وحی نازل کی ہے یہ ویسی ہی وحی ہے۔ جیسی وحی نوح اور اسکے بعد کے انبیاء کی طرف نازل کی گئی تھی۔ گویا پہلی وحی عقائد کی نسبت نوح کو ہوئی تھی۔ اور سب سے پہلے

دَور ثانی کا پیغام۔ نزول شریعت

[illegible] بن گئے [illegible] ہی تھا۔ جتنے کہ ابتدائی حکومت کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس لئے آدم کے متعلق سارے قرآن کریم میں یہ کہیں ذکر نہیں آتا کہ وہ مسائل شرعیہ کی طرف لوگوں کو بُلاتا تھا۔ جہاں ذکر آتا ہے انہی چار چیزوں کا آتا ہے +

پس حضرت آدم نے صرف دُنیا کو متمدن بنایا۔ مگر یہ اس وقت کے لئے ایک انقلاب تھا اور درحقیقت عظیم الشان انقلاب۔ کہ دُنیا کا موجودہ تمدن اسی کا نتیجہ ہے +

دَور ثانی۔ نوحؑ کی تحریک

اس کے بعد دوسرا دَور آیا۔ جب آہستہ آہستہ آدم کے متبع افراد نے ترقی کی۔ اور انہوں نے دُنیا میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے شروع کردیئے۔ اور انسانی تمدن ترقی کرنے لگا۔ اور انسان کو تمدن سے جو وحشت ہُوا کرتی تھی وہ جاتی رہی۔ اور وہ اس بات کا عادی ہوگیا۔ کہ انفرادی آزادی قربان کرکے مجموعی رنگ میں قوم کے فائدہ کے لئے قدم اُٹھائے۔ اسکے نتیجہ میں مسابقت کا مادہ پیدا ہُوا۔ اور بعض لوگ نہایت ذہین ثابت ہوئے۔ اور بعض کند ذہن نکلے۔ کوئی اپنے کام میں نہایت ہی ہوشیار ثابت ہُوا اور کوئی نکما۔ کوئی اپنی لیاقت کی وجہ سے بہت آگے نکل گیا اور کوئی پیچھے رہ گیا۔ کیونکہ مختلف انسانوں کے قویٰ میں تفاوت تو ہوتا ہی ہے۔ مگر اس کا ظہور تمدن کی زندگی میں ہوتا ہے۔ اور جس قدر تمدن پیچیدہ اور لطیف ہوتا جائے اسی قدر انسانی قابلیتوں کا تفاوت زیادہ سے زیادہ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اگر دو متفاوت القویٰ انسانوں کو ادنیٰ تمدن کے دائرہ میں کام پر لگایا جائے تو گو تفاوت ظاہر ہوگا مگر اس قدر نمایاں نہیں ہوگا۔ جس قدر کہ اس وقت جبکہ انہیں کسی اعلیٰ تمدن کے ماتحت کام کرنا پڑے۔ اعلیٰ تمدن میں تو بعض دفعہ اس قدر فرق ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک اعلیٰ قابلیت کا آدمی کسی اور ہی جنس کا نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی آدم کے دَور کے آخر میں ظاہر ہونے لگا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جو آدمی معمولی تھے انہوں نے بعض آدمیوں کو خاص قابلیتوں کا مالک متصور کرلیا۔ اور چونکہ علم النفس کا فلسفہ ابھی ظاہر نہ ہُوا تھا۔ اور علم کی کمی کی وجہ سے اس زمانہ کے لوگ یہ خیال کرتے

لوگ مبتلا تھے۔ جس سے بچنا زیادہ عقل نہیں چاہتا تھا۔ اور بتوں کے آگے جھکنے یا نہ جھکنے کے مسئلہ کو ہر شخص سمجھ سکتا تھا۔ لیکن ابراہیم کے وقت میں شرک ظاہری رسوم سے نکل کر باطنی رسومات کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اور باوجود بتوں کے آگے نہ جھکنے کے بوجہ فلسفہ کی ترقی کے اور فکر کی بلندی کے ذہنی شرک کی ایک اور قسم پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا قلع قمع ابراہیم نے کیا +

ابراہیمی تحریک کا پیغام

پس ایسے زمانہ میں جو موحد کامل ہو چونکہ وہی مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ کے خطاب کا مستحق ہو سکتا تھا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق استعمال نہ کئے گئے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ نوح اعلیٰ موحد نہ تھا۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پانچ دفعہ قرآن شریف میں ذکر ہے۔ اور پانچوں جگہ آپ کے متعلق وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ کے الفاظ آتے ہیں۔ لیکن نوح کے متعلق یہ الفاظ نہیں آتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اپنے زمانہ میں نوح نے شرک کا مقابلہ کیا۔ مگر چونکہ کامل شرک اس وقت رائج نہیں تھا۔ اس لئے وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ کے نام سے آپ کو پکارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ بوجہ عبادتِ اوثان سے اجتناب کرنے کے ہر شخص جانتا تھا کہ آپ مشرک نہیں اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے سوئی سے ہر عورت کام کر سکتی ہے۔ مگر ہر عورت درزی نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ درزی کے لئے اپنے فن میں ماہر ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نوح کے متعلق گو ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے شرک کا مقابلہ کیا۔ مگر ابراہیم کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ شرک کا مقابلہ آپ کا پیشہ اور فن بن گیا تھا۔ اس لئے آپ کے متعلق کہا گیا کہ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ غرض ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں علاوہ ظاہری شرک کے ایک اور شرک جو ذہنی اور فلسفی تھا پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت صرف یہی شرک نہ رہا تھا کہ بعض لوگ بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ بلکہ محنت او۔

تفصیلاتِ صفاتِ الٰہیہ کا دروازہ اس پر کھولا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک انسانی دماغ بہت ترقی کر گیا تھا۔ اور اس نے صفاتِ الٰہیہ کا ادراک کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس فکر میں ٹھوکر کھا کر اس نے شرک کا عقیدہ ایجاد کر لیا تھا۔ چنانچہ شرک کا ذکر قرآن کریم میں نوح کے ذکر کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے +

پس نوح اوّل شارع نبی تھے۔ اِن معنوں میں کہ ان کے زمانہ میں انسان رُوحانیت کی باریک راہوں پر قدم زن ہونے لگ گیا تھا۔ اور اس کا دماغ مافوق الطبعیات کو سمجھنے کی کوششوں میں لگ گیا تھا +

تیسرا دَور۔ ابراہیمی تحریک

اس کے بعد تیسرا دَور ابراہیمؑ کا ہے۔ گو نوحؑ کے متعلق قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے زمانہ میں شرک ہو چکا تھا۔ اور اس نے شرک کو سختی سے روکا۔ لیکن درحقیقت وہ دَور صفاتِ الٰہیہ کے احساس کا ابتدائی دَور تھا۔ اور شرک بھی صرف بسیط شکل میں تھا۔ بعض لوگ بزرگوں کے مجسمے پُوجنے لگ گئے تھے۔ بعض اور نے کوئی اور سادہ قسم کا شرک اختیار کر لیا تھا۔ مگر ابراہیمؑ کے زمانہ میں شرک ایک فلسفی مضمون بن گیا تھا۔ اور اب عقلوں پر فلسفہ کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔ اور اسکے ساتھ توحید کی باریک راہیں نکل آئی تھیں جن پر عمل کرنا صرف توحید کے موٹے مسائل پر عمل کرنے سے بہت مشکل تھا۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے بُت پرستی دُنیا میں آج بھی موجود ہے۔ مگر آج جب بُت پرستوں کو کہا جاتا ہے کہ تم کیوں بُت پرستی کرتے ہو۔ تو وہ کہتے ہیں ہم تو کوئی بُت پرستی نہیں کرتے۔ ہم تو صرف اپنی توجہ کے اجتماع کے لئے ایک بُت سامنے رکھ لیتے ہیں گویا شرک تو وہی ہے جو پہلے تھا۔ مگر اب شرک کو ایک نیا رنگ دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح ابراہیمؑ کے زمانہ میں شرک کو نیا رنگ دے دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بار بار کہا گیا ہے کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور نوحؑ کی نسبت یہ ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔ کیونکہ زمانۂ نوحؑ کامل شرک کا نہ تھا۔ صرف سطحی شرک میں

ابراہیم کے ذریعہ سے تکمیل انسانیت

اسی طرح تکمیل انسانیت بھی ابراہیم کے ذریعہ سے ہوئی۔ اور در اصل تکمیلِ انسانیت اور تکمیل توحید لازم وملزوم ہیں۔ جب تک توحید کی تکمیل نہ ہو انسانیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اور جبتک انسانیت کی تکمیل نہ ہو توحید کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے صوفیا نے کہا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کو بھی پہچانا۔ پس جس طرح فہم انسانی کا ارتقاء ابراہیمی دَور میں ہوُا۔ اور مذہب کا فلسفہ اپنی شان دکھانے لگا۔ اسی طرح تکمیل انسانیت بھی ابراہیم کے ذریعہ سے ہوئی۔ یعنی انسان کو دوسری اشیاء سے ممتاز قرار دیا گیا۔ اور انسانی قربانی کو منسوخ کیا گیا۔ آپ سے پہلے انسانی زندگی کو کوئی قیمت نہیں دی جاتی تھی۔ جو مرگیا مرگیا جو زندہ رہا زندہ رہا مگر ابراہیم کے زمانہ میں آدم اور دوسری مخلوقات میں فرق کر دیا گیا۔ ابھی تک انسان اور جانور میں کوئی نمایاں فرق نہ سمجھا جاتا تھا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ دونوں کھاتے پیتے ہیں۔ دونوں بچے پیدا کرتے ہیں۔ دونوں چلتے پھرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان کی دماغی ترقی نمایاں ہے۔ اس وجہ سے اس وقت تک قربانی کے لئے بعض دفعہ انسان بھی پیش کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ جانوروں اور انسان میں کوئی اتنا نمایاں فرق نہ سمجھا جاتا تھا۔ صرف یہ احساس تھا کہ انسان زیادہ قیمتی ہے۔ اور جانور کم قیمتی۔ مگر ابراہیم کے زمانہ میں جب لوگوں نے توحید کو سمجھ لیا تو خدا نے کہا اب اسکی قربانی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اب یہ حیوان نہیں بلکہ پورا انسان بن گیا ہے اور اسکی زندگی اپنی ذات میں ایک مقصود قرار پا گئی ہے۔ پس اس مقام پر انسان کو پہنچانے کی وجہ سے ابراہیم ابوالانبیاء کہلایا۔ جس طرح آدم ابوالبشر کہلایا ٭

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یوم البعث کا صحیح مفہوم انسانیت کے اندر پیدا کر دیا گیا۔ اور اسے بتایا گیا کہ انسانی زندگی قرب الٰہی کے حصول کا

بغض کی باریک راہوں پر غور کرکے انسانی احساسات بہت ترقی کر گئے تھے اور اب بغیر ظاہری شرک کرنے کے بھی انسان ذہنی طور پر مشرک ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نوح کو یہ نہیں کہا کہ اَسْلِمْ اور اس نے جواب میں کہا ہو اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بلکہ ابراہیم کو اللہ تعالےٰ نے کہا اَسْلِمْ کہ میں تجھے صرف یہی نہیں کہتا کہ بُت کو سجدہ نہ کر۔ بلکہ میں تجھے یہ بھی کہتا ہوں کہ تُو اپنے دل کے خیالات بھی کلی طور پر میری اطاعت میں لگا دے۔ اور ابراہیم نے جواب میں کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ ع ۱۶) کہ اے خدا میرے جسم کا ذرہ ذرہ تیرے آگے قربان ہے میری عقل میرا علم میرا ذہن سب تیرے احکام کے تابع ہیں اور میری ساری طاقتیں اور ساری قوتیں تیری راہ میں لگی ہوئی ہیں۔ اسی لئے اسکی نسبت کہا گیا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یہی وہ توحید ہے جسے توکل والی توحید کہتے ہیں۔ اور درحقیقت توحید وہی ہوتی ہے جو توکل والی ہو جب انسان یہ کہنے لگے کہ میرے کام سب ختم ہیں۔ اب میرا کھانا۔ پینا۔ میرا اُٹھنا بیٹھنا میرا سونا۔ میرا جاگنا میرا مرنا۔ میرا جینا سب خدا کے لئے ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو اس کا فرق آگے کس طرح ظاہر ہُوا۔ نوح کو جب طوفان کے موقعہ پر بچنے کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالےٰ نے اسے فرمایا کہ تو ایک کشتی بنا جس پر بیٹھ کر تُو اور تیرے ساتھی طوفان سے محفوظ رہیں۔ اور خدا نے اسے کشتی بنا دی۔ لیکن جب ابراہیم کو خُدا نے کہا کہ جا اور اپنے بچے اسمٰعیل کو وادی غیرِ ذی زرع میں پھینک آ۔ تو اس نے اسے کوئی ایسی ہدایت نہیں دی کہ انکے کھانے اور پینے کے لئے اسے کیا انتظام کرنا چاہیئے اس نے اسے بس اتنا حکم دے دیا۔ کہ جا اور اپنی بیوی اور اپنے بچے کو فلاں وادی میں چھوڑ آ۔ چنانچہ وہ گیا اور ہاجرہ اور اسمٰعیل کو بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ کر چلا آیا۔ اور اس نے یقین کیا کہ جو خدا انہیں گھر پر رزق دیتا تھا وہی انہیں اس جگہ بھی رزق بہم پہنچائے گا غرض ابراہیم نوح کی نسبت توکل کے زیادہ اعلیٰ مقام پر تھے۔ اور توکل کامل کا مقام ہی توحید کامل کا مقام ہوتا ہے جو ابراہیم سے ظاہر ہُوا ۰

ہُوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دَور سے پہلے انسان صرف ایک محب کی شکل میں تھا۔ اور اس کے ذہن میں محبوبیت کا خیال پیدا نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اسکی نامکمل ترقی کو دیکھتے ہوئے خوف کیا جاتا تھا کہ وہ سست اور غافل نہ ہو جائے۔ کیونکہ ابھی اس کا دماغ اس باریک فلسفہ کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھا۔ لیکن ابراہیم کے وقت میں وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ اس پر یہ راز کھولا جائے۔ چنانچہ ابراہیم نے انسان کے محبوبِ الٰہی ہونے کے فلسفہ کو پیش کیا۔ اور چونکہ محب محبوب کی جان کا ضیاع پسند نہیں کرتا اس لئے اسکی قربانی رد کی گئی۔ گویا یہ تصوف کا پہلا دَور تھا ؛

اسی طرح ابراہیم کا دَور فلسفہ حیاتِ انسانی کے سمجھنے کا دَور تھا۔ کیونکہ اس وقت یہ نظریہ انسان کے سامنے رکھا گیا کہ یہ زندگی عبث اور فضول نہیں۔ بلکہ اپنی ذات میں ایک عظیم الشّان نعمت ہے۔ اور آیندہ ترقیات کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کا ذریعہ ہے ؛

موسوی دَور اور اُس کا پیغام

اس کے بعد دَور موسوی شروع ہوُا۔ یہ دَور ایک نئی تبدیلی اور نیا انقلاب لے کر آیا۔ یعنی اب دین اور دُنیا کو ملا دیا گیا۔ اور کفر اور اسلام میں امتیاز پیدا کر دیا گیا۔ آدم کے زمانہ میں صرف تمدن تک بات تھی۔ نوح کے زمانہ میں شرک اور توحید میں ابتدائی امتیاز قائم ہوُا اور ایک محدود شریعت کی بُنیاد پڑی۔ ابراہیم کے زمانہ میں توحید کامل کی گئی۔ مگر موسوی زمانہ میں انسانی ذہن میں اس حد تک ترقی ہو چکی تھی۔ کہ اب ضرورت تھی کہ دین و دُنیا کے قواعد پر مشتمل ایک ہدایت نامہ نازل ہو۔ گویا ایک ہی وقت میں مذہب دین اور دُنیا دونوں کا چارج لے لے۔ پھر اس زمانہ میں کفر و اسلام میں امتیاز پیدا کر دیا گیا تھا۔ موسیٰ سے پہلے کفر و اسلام میں امتیاز نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کافروں کی بیٹی لے لیتے اور اُن سے تعلقات رکھتے۔ مگر موسوی دَور میں دین حق نے علیحدہ اور ممتاز صورت

ذریعہ ہے۔ اس لئے سوائے ایسی مجبوری کے کہ اسکی قربانی کے بغیر چارہ نہ ہو۔
اس کی فضول قربانی خود اس مقصد کو تباہ کرنا ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا
گیا۔ گویا اب قربانی فلسفی اور عقلی ہو گئی۔ ظاہری اور رسمی نہ رہی۔ مثلاً یوں
یوں انسان قربان کر دیئے جائینگے اور انہیں کہا جائے گا۔ کہ جائیں اور مر جائیں۔
اور اس موقعہ پر جب یہ سوال پیدا ہوگا کہ انسان کی قربانی جائز نہیں تو معاً
یہ جواب بھی مل جائے گا۔ کہ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے قربان کر دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ ادنیٰ
کے لئے قربان نہیں کیا جاتا۔ گویا قربانی فلسفہ اور عقل کے ماتحت آ جائیگی۔ اور
بعض موقعوں پر اس قربانی کا پیش کرنا جائز بلکہ ضروری ہو گا۔ اور بعض موقعوں
پر نہیں۔ پھر اسکے ساتھ ہی جب یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ انسان تمام مخلوق سے اعلیٰ
ہے تو اسی خیال سے تصوف کا دَور شروع ہو گیا۔ اور انسان یہ سمجھنے لگا کہ مَیں
اس لئے پیدا کیا گیا ہوں کہ اپنے خدا کی رضا حاصل کروں اور اس کا محبوب بنوں
گویا ابراہیم سے تصوف کا دَور شروع ہؤا۔ گو اس وقت صرف اسکی بُنیاد
پڑی۔ اور ترقی بعد میں ہوئی۔ اور یہ توجہ اس لئے پیدا ہوئی کہ جب فیصلہ کیا
گیا کہ انسان قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کی بُنیاد اس امر پر رکھی گئی کہ انسان
اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا کا محبوب بنے تو ہر عقلمند شخص اس فکر میں پڑ
گیا کہ وہ محبوبیت الٰہی کے مقام کو حاصل کرنے کے لئے کس طرح کوشش کرے
اور اس طرح تصوف کی بُنیاد پڑ گئی +

تمدن کامل کی بُنیاد ابراہیم سے پڑی

جب انسان کی قربانی رد کی گئی تو اس نے انسانی دماغ کو اس طرف بھی مائل کر دیا کہ دُنیا کی ہر چیز انسان کے لئے
پیدا کی گئی ہے۔ اور جب یہ خیال پیدا ہؤا تو ساتھ ہی قانونِ قدرت پر باریک
در باریک غور بھی شروع ہؤا اور تمدن کے کمال کی طرف انسانی توجہ مائل ہو گئی
پس تمدن انسانی کے کمال کا دَور بھی حقیقی طور پر ابراہیم کے زمانہ میں شروع

لئے کھول دیا گیا۔ چنانچہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔
ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْۤ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (انعام ع)
یعنی پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس شخص پر احسان عظیم کرنے کے لئے جس نے ہماری پوری فرمانبرداری کی تھی۔ وہ کتاب ہر قسم کی شرائع پر حاوی تھی۔ اور اس میں ہدایت اور رحمت کی باتیں تھیں۔ لَعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ تاکہ لوگ خدا تعالیٰ کی ملاقات کا یقین کرلیں۔

پھر فرماتا ہے وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (اعراف ع) کہ ہم نے موسیٰ کے لئے الواح میں جو کچھ لکھا۔ اس میں ہر قسم کی نصیحتیں تھیں۔ اور ہر بات کے متعلق اس میں تفصیلی ہدایات درج تھیں۔ گویا تورات وہ پہلی الہٰی کتاب تھی جس میں بنی نوع انسان کے لئے تفصیلی ہدایات دی گئیں۔ اور انسان کو تمدن میں اتنا اعلیٰ سمجھ لیا گیا کہ اب اس سے یہ امید کی جانے لگی کہ وہ دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنی باریک در باریک آزادیاں قربان کرنے کے لئے بھی تیار رہے۔ اور انسانی اعمال کے ہر شعبہ کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ مثلاً عورت حائض ہو تو اس کے لئے یہ ہدایت ہے انسان جنبی ہو تو اس کے لئے یہ ہدایت ہے۔ بیمار ہو تو اس کے لئے یہ ہدایت ہے۔ عبادت خانوں کے متعلق یہ ہدایت ہے۔ غرض تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے مطابق موسیٰ کے ذریعہ سے ہر بات کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئیں۔

دوسرا انقلاب صفات الٰہیہ کی تفصیلات

دوسرا انقلاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوا یہ تھا کہ صفاتِ الٰہیہ کی تفصیلات ظاہر کی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں گو انسانی دماغ ترقی کر چکا تھا۔ اور بعض صفات الٰہیہ کی باریکیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ مگر صفاتِ الٰہیہ کے باریک باہمی تعلقات اور صفات الٰہیہ کا وسیع دائرہ اس وقت تک دنیا نہ سمجھنے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اور

اختیار کر لی تھی۔ جیسے آدم اور نوح کے زمانہ میں انسان نے ممتاز درجہ اختیار کر لیا تھا۔ اب تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی۔ جن کا تعلق تمدن سیاست اور رُوحانیت تینوں سے ہو۔ اس میں تمدّنی ہدایات بھی ہوں۔ کہ گھروں کو اس اس طرح صاف رکھو۔ آپس کے تعلقات میں فلاں امور ملحوظ رکھو اور اس میں سیاسی ہدایات بھی ہوں کہ بادشاہ یہ یہ کام کریں اور رعایا کا بادشاہ سے یہ سلوک ہو۔ اور پھر اس میں رُوحانی ہدایات بھی ہوں۔ کہ عبادت کس طرح کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قُرب کس طرح حاصل کیا جائے۔ گویا اب ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جو ایک ہی وقت میں نبی بھی ہو بادشاہ بھی ہو اور جرنیل بھی ہو۔ خدا تعالےٰ نے موسیٰ کو اس کام کے لئے چُنا اور چونکہ انسانی عقل بہت ترقی کر چکی تھی۔ ایک کامل نظام رائج ہو چکا تھا۔ فلسفہ اپنے کمال کو پہنچ رہا تھا۔ اس وقت ضرورت تھی ایک ایسے شخص کی جو آدم بھی ہو نوح بھی ہو اور ابراہیم بھی ہو۔ پس موسیٰ ان تینوں شانوں کے ساتھ آئے۔ اور انکے ذریعہ سے وہ تفصیلی ہدایت نامہ دُنیا کو دیا گیا جس کا تعلق سیاست۔ روحانیت اور تمدّن تینوں سے تھا۔ اور جس میں سیاسی ہدایات بھی تھیں اور رُوحانی بھی اور تمدنی بھی۔ چنانچہ آپ کے ذریعہ سے جو اِنقلاب پیدا ہُوا۔ وہ مندرجہ ذیل امور پر مشتمل تھا *

موسوی دَور کا پہلا انقلاب۔ شریعت کامل

ایک شریعت کامل۔ جو عبادات۔ رُوحانیت سیاست اور تمدّن کی تفصیلات پر مشتمل تھی جسکی مثال اس سے پہلے کسی نبی میں نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کے ذریعہ سے جسم و رُوح کے گہرے تعلق کو ظاہر کیا گیا تھا۔ اور رُوحانیت کے اعلیٰ مدارج کے حصول کے لئے راستہ کھول دیا گیا تھا۔ ابراہیم کے وقت میں صرف جسم کی خوبی اور برتری تسلیم کی گئی تھی۔ مگر جسم اور رُوح کے گہرے تعلق کو صرف موسیٰ کے وقت میں ظاہر کیا گیا۔ اور اس طرح مدارج روحانیت کے حصول کا دروازہ بنی نوع انسان کے

گویا صفاتِ الٰہیہ کا اجمالی علم تفصیل کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ اور بندوں اور خدا میں اور بندوں اور بندوں میں تعلقات کی بہترین صورت پیدا ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ وہ پہلے نبی ہیں جن کے بعد ایک لمبا سلسلہ نبیوں کا ایسا آیا۔ جو کلی طور پر آپ کی شریعت کے تابع تھے۔ گو نبوت اُن کو براہِ راست ملی تھی۔ گویا جب انسان نے خدائی صفات کے ڈیپارٹمنٹ کو سمجھنے کی کوشش کی تو خدا تعالےٰ نے کہا۔ اب تم بھی اپنے ڈیپارٹمنٹ بنا لو کہ اب تم سے آیندہ ایک ظاہری حکومت چلے گی۔ اور خلفاء آئیں گے جو حکومت کرینگے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے نبی تھے۔ جن کے بعد مامور خلفاء لائے گئے۔ اور آپ سے نبیوں کا ایک لمبا سلسلہ چلایا گیا جنہیں گو نبوت براہِ راست ملتی تھی۔ مگر موسوی شریعت کے وہ تابع ہوتے تھے ؂

اب اس وقت مذہب ایک باقاعدہ فلسفہ بن گیا۔ جو انسانی زندگی کے سب شعبوں پر روشنی ڈالتا تھا۔ گویا شریعت کا محل بنکر چاروں طرف سے محفوظ ہو گیا۔ یہی فلسفہ کا کمال تھا کہ ابراہیم نے جب صفاتِ الٰہیہ کا باب پڑھا تو کہا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (بقرہ ع۳۵) خدایا! احیائے موتیٰ کی صفت کا جلوہ مجھے دکھا۔ مگر موسیٰ چونکہ ابراہیم سے بہت زیادہ صفاتِ الٰہیہ کا علم رکھتا تھا اس لئے اس نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اعراف ع۱۷) کہ خدایا! تیری تمام صفات کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ اب یہی خواہش ہے کہ تو مجھے اپنا سارا وجود دکھا دے۔ گویا ایک نے صرف ایک صفت کا جلوہ مانگا۔ مگر دوسرے نے خود خدا کا دیدار کرنا چاہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہتے ہیں رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ وہ کہتے ہیں مجھے صفتِ احیاء کا نمونہ دکھا اور یہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنا سب کچھ دکھا ؂

دُنیا کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی نبی آتا ہے تو لوگ اُسے تو جھوٹا سمجھتے ہیں مگر اس سے پہلے نبی کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اور جب بعد میں آنے والے نبی کی بڑائی بیان کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کیا پہلے جاہل تھے کیا انہیں ان باتوں کا علم نہیں

نہ اس کے سامنے وہ پیش کیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں دُنیا اس قابل ہو گئی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پر صفات الٰہیہ کا وسیع اظہار کیا گیا۔ جسکی وجہ سے نظامِ عالم کے سمجھنے کی قابلیت لوگوں میں پیدا ہو گئی۔ گویا صفات کا اجمالی علم تفصیل کی صورت میں بدلکر بندوں اور خدا میں اور بندوں اور بندوں میں تعلقات پیدا کرنے کی ایک بہتر صورت نکل آئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی احدیت تک دماغ نے ترقی کی تھی۔ اس حد تک ترقی نہیں کی تھی۔ کہ وہ یہ سمجھنے کے قابل ہوتا کہ صفاتِ الٰہیہ موجودہ حکومتوں کے مختلف ڈیپارٹمنٹوں کی طرح الگ الگ ہیں۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے ہم پہلے کہیں کہ ایک بادشاہ ہے جسکی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے وقت ہم یہ کہیں کہ اس بادشاہ کے ماتحت کئی افسر ہیں اُن سب کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور انکی اطاعت بادشاہ کی اطاعت ہے پھر ہم یہ بتائیں۔ کہ یہ فلاں ڈیپارٹمنٹ کا افسر ہے۔ اور وہ فلاں ڈیپارٹمنٹ کا۔ یہ ڈیپارٹمنٹ تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی بھی مختلف صفات ہیں۔ اور ان صفات کے بھی مختلف ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ جن کو پورے طور پر سمجھنے کے بعد ہی انسان کو حقیقی دُعا کرنی آتی ہے ؛

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ دروازہ لوگوں پر کھول دیا گیا اور صفاتِ الٰہیہ کے متعلق آپ کو وسیع علم دیا گیا۔ چنانچہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس قدر موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے صفاتِ الٰہیہ بیان ہوئی ہیں قریبًا اتنی ہی صفات قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ مَیں نے ایک دفعہ غور کیا تو مجھے کم از کم اس وقت کوئی ایسی نئی صفت نظر نہیں آئی تھی جو قرآن کریم نے بیان کی ہو مگر تورات نے بیان نہ کی ہو۔ وہی رب۔ رحمان۔ رحیم۔ اور مالک یوم الدین وغیرہ صفات جو اسلام نے بیان کی ہیں وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کی تھیں۔ غرض موسوی دَور میں انسانی دماغ اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ صفات الٰہیہ کے جو اعلیٰ ڈیپارٹمنٹ ہیں انکو سمجھ سکے۔

ضرورتوں کا اس میں مکمل انتظام موجود ہو۔ اور گو قرآن کریم تاج محل کی طرح دوسرے سب مکانوں سے ممتاز ہے۔ مگر مشابہت کے لحاظ سے اُسے مکان سے ہی مشابہت دی جا سکتی ہے۔ الگ الگ بنے ہوئے کمروں سے نہیں۔ پس موسیٰ وہ پہلا نبی تھا جسے وہ کامل قانون ملا۔ جو سب نظام پر حاوی تھا۔ گو اعلیٰ تفصیلات کے لحاظ سے اس میں بھی نقص تھا ؎

تیسرا انقلاب بالمشافہہ وحی الٰہی

تیسرا انقلاب جو موسیٰ کے ذریعہ سے پیدا ہوا۔ وہ یہ ہے کہ موسیٰ کے زمانہ تک وحی الٰہی کا طریق بھی تبدیل ہوتا چلا گیا اور اب بالمشافہہ وحی کا طریق جاری ہوا۔ کیونکہ شریعت کی جزئیات پر بحث ہوتی تھی اور اس کے لئے لفظی وحی کی ضرورت تھی تا کلام محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء ع ۲۳) کہ موسیٰ کے ساتھ اکثر بالمشافہہ وحی ہوتی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلوں سے بالمشافہہ کلام نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ پہلے زیادہ تر رؤیاء و کشوف پر مدار تھا۔ اور اسی ذریعہ سے اللہ تعالےٰ غیب کی خبریں اپنے نبیوں پر ظاہر کیا کرتا تھا مگر موسیٰ کی شریعت کا اکثر کلام بالمشافہہ ہوا۔ اور رویاء و کشوف کی کثرت کی جگہ لفظی کلام کی کثرت نے لے لی۔ لیکن ابھی تک معنے محفوظ قرار دئے جاتے تھے کلام محفوظ نہیں قرار دیا جاتا۔ جیسے ہم زید سے جب بات کرتے ہیں تو لفظوں میں کرتے ہیں اور اس طرح اُسے ہماری بات کے سمجھنے میں بہت کم شبہ ہو سکتا ہے مگر ہم اپنے الفاظ اُسے یاد نہیں کراتے۔ بلکہ جو مطلب اس کے دماغ میں آتا ہے اسکے مطابق وہ کام کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے الفاظ کی زیادہ احتیاط کرانا چاہیں تو پھر ہم لکھوا دیتے ہیں۔ یہی فرق قرآنی وحی اور موسیٰ کی وحی میں ہے۔ موسیٰ کے زمانہ میں ابھی یہ حکم نہیں تھا کہ جو الفاظ سُنو وہی لکھو۔ بلکہ جو الفاظ ہوتے اُن کے مطابق ایک مفہوم لے کر کتاب میں درج کر دیا جاتا۔ مگر قرآنی وحی کے نزول کے وقت اُسکی زبا

تھا؟ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مَیں نے خدا کو دیکھا ہے تو یہودی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ انہیں غصہ آیا کہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہمارا دادا کم علم والا تھا اور تم اس سے زیادہ عرفان رکھتے ہو۔ اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ہمیں بھی خدا دِکھاؤ۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے کہا یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (بقرہ ع ۶) کہ اے موسیٰ ہم تیری اِس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جب تک ہم خود بھی خدا کو نہ دیکھ لیں اِس جگہ نُؤْمِنَ کے معنے ایمان لانے کے نہیں وہ تو پہلے ہی حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ظاہری ایمان رکھتے تھے۔ لَنْ نُّؤْمِنَ کے یہ معنی ہیں کہ یہ جو تو نے کہا ہے کہ مَیں نے خدا دیکھا اس میں تو جھوٹا ہے۔ اور ہم تیری یہ بات ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر ہمیں بھی دکھا دو تو خیر پھر مان لینگے +

یہی وہ اِنقلاب رُوحانی تھا۔ جو چاروں گوشوں اور چاروں دیواروں کے لحاظ سے کامل تھا۔ اور موسیٰ کی یہی وہ خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے کہا گیا۔ کہ اس انقلاب رُوحانی کی آخری تحریک بھی موسیٰ کے نقش قدم پر ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اسکی طرف کان دھریو۔" (استثنا ۱۸/۱۵و۱۸) اور پھر آخری کلام میں مسلمانوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل ع۱) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کامل اور اکمل شریعت لائے ہیں یہ گو ہر لحاظ سے سابقہ الہامی کتب پر فضیلت رکھتی ہے۔ مگر ظاہری تکمیل کے لحاظ سے اسے موسیٰ کی شریعت سے مشابہت ہے۔ دوسروں سے نہیں۔ دوسروں کی کتابوں کی ایسی ہی مثال ہے جیسے متفرق کمرے بنے ہوئے ہوں۔ اور موسیٰ کی شریعت کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہ مکان ہو جس میں مختلف ضرورتوں کے لئے الگ الگ کمرے بنے ہوئے ہوں۔ اور سب

تھے۔ انہیں بتایا کہ اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ ظاہر لعنت بن جاتا ہے۔ نمازیں بڑی اچھی چیز ہیں۔ لیکن اگر تم صرف ظاہری نماز ہی پڑھوگے باطنی نماز نہیں پڑھوگے تو وہ نماز لعنت بن جائے گی۔ روزہ بڑی اچھی چیز ہے لیکن اگر تم ظاہری روزہ کے ساتھ باطنی روزہ نہ رکھوگے۔ تو یہ ظاہری روزہ لعنت بن جائے گا۔ یہ وہی بات ہے۔ جو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی ہے کہ وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ (سورۃ الماعون) یعنی بعض نماز پڑھنے والے ایسے ہیں کہ نماز اُن کے لئے وَیل اور لعنت بن جاتی ہے۔ مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ پوری بات کھول کر بتا دی تھی۔ اس وجہ سے اُنہیں دھوکا نہ لگا۔ یہ کھولکر بتانا بھی عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے ماتحت تھا کہ انہوں نے کہا تھا۔ "لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کا راہ بتائیگی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ سُنے گی سو کہے گی۔" (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کو واضح کر دینے کی وجہ سے باوجود اس کے کہ آپ نے بھی وہی بات کہی تھی جو مسیح علیہ السلام نے کہی تھی مسلمانوں کو دھوکا نہ لگا۔ اور انہوں نے شریعت کو لعنت نہ قرار دیا۔ بلکہ صرف اس عمل پر شریعت کو لعنت قرار دیا۔ جس کے ساتھ دل کا تقدس اور اخلاص اور تقویٰ شامل نہ ہو۔ مگر مسیحیوں نے مسیح کے کلام سے دھوکا کھایا اور جب انکی روحانیت کمزور ہوئی انہوں نے اپنی کمزوری کے اثر کے ماتحت غلط تاویلوں کا راستہ اختیار کر لیا۔ اور شریعت کو لعنت قرار دینے لگے۔ اور یہ نہ خیال کیا کہ اگر وہ لعنت ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکے حواری روزے کیوں رکھتے تھے۔ عبادتیں کیوں کرتے تھے۔ جھوٹ سے کیوں بچتے تھے۔ اور اسی طرح نیکی کے اور کام کیوں کرتے تھے ان امور سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ظاہری عبادت کو لعنت نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ظاہر کے ساتھ باطن کی اصلاح نہ کی جائے تو وہ ظاہر لعنت بن جاتا ہے ⁕

اُسکی زبر۔ اُسکی پیش اور اُسکی جزم تک وحی الٰہی کی ہدایت کے ماتحت ڈالی گئی ۔

عیسوی دَور کا پیغام۔ اِحیائے شریعت موسوی

موسوی دَور کے بعد اب عیسوی دَور شروع ہوتا ہے اور عیسوی دَور ہی وہ پہلا دَور ہے۔ جو تاریخی طور پر اس آیت کے دوسرے حصّہ کے ماتحت آتا ہے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (بقرہ ع۱۳) کہ ہمارے احکام جب لوگوں کے ذہنوں سے اُتر جاتے ہیں تو ہم ویسے ہی احکام پھر اُتار دیتے ہیں۔ یعنی دوبارہ اُن کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں ایک ایسا نبی آیا جو نئی شریعت نہیں لایا۔ بلکہ تورات کے بعض مضامین کو اس نے نمایاں طور پر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اٰیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ ع۱۱) موسوی دَور میں شریعت کی تکمیل ہوئی اور اُس کے معارف نے بڑھتے بڑھتے ایک زبردست منظم قانون کی شکل اختیار کر لی۔ جسکی مثال پہلے کبھی نہ ملتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کی نگاہ مغز سے ہٹ کر چھلکے کی طرف آگئی۔ اور دوسری طرف انسانی ذہن اب اس حد تک ترقی کر چکا تھا کہ اسے تصوّف کا مزید سبق دیا جانا ضروری تھا۔ پس عیسٰیؑ آئے تاکہ ایک طرف تورات کے احکام کو پورا کریں جیسا کہ انہوں نے خود کہا ہے "یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہوں" (متی ۵/۱۷) اور دوسری طرف وہ لوگوں کو تورات کے احکام کی حکمت سمجھائیں اور انکی توجہ کو چھلکے سے ہٹا کر مغز کی طرف پھرائیں اور انہیں بتائیں کہ ظاہری شریعت صرف اس دُنیا کی زندگی کو درست کرنے کے لئے اور باطنی شریعت کے قیام میں مدد دینے کے لئے ہے۔ ورنہ اصل شئے صرف باطنی صفائی اور پاکیزگی اور تقدس ہے۔ سو اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے یہ کام لیا۔ انھوں نے ایک طرف موسوی احکام کو دوبارہ اصل شکل میں قائم کیا اور دوسری طرف جو لوگ قشر کی اتباع کرنیوالے

مقام مجھے بھی عطا ہُوا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۵ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۵ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۵ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۵ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۵ (انعام ع۲۰) لوگوں سے کہدے کہ مجھے خدا نے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی ہے اس راستہ کی طرف جو ابراہیمی طریق ہے۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اس جگہ مشرک کے معنی عام مشرک کے نہیں ہیں بلکہ ایسے شخص کے ہیں جو اپنے دل و دماغ کی طاقتیں خدا تعالےٰ کی راہ میں نہ لگائے۔ اور اسے پورا توکّل حاصل نہ ہو۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کے طریق پر چلایا ہے۔ تو سوال ہو سکتا تھا۔ کہ ابراہیم نے تو اپنی تمام طاقتیں خدا تعالےٰ کے سپُرد کر دی تھیں۔ اور جب انہیں کہا گیا تھا کہ اَسْلِمْ تو انہوں نے کہہ دیا تھا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کیا آپ نے بھی یہی کچھ کہا ہے؟ تو فرماتا ہے کہدے کہ وہی کام مَیں نے بھی کیا ہے اور میری نماز اور میرا ذبیحہ اور میری زندگی اور میری موت سب رب العالمین کے لئے ہو گئی ہیں۔ اور مَیں اس طرح خدا تعالیٰ کا بن گیا ہوں کہ اب میرے ذہن کے کسی گوشہ میں خدا تعالےٰ کے سِوا کسی کا خیال باقی نہیں رہا۔ غرض یہاں لَا شَرِیْکَ لَہٗ سے مُراد کامل توحید کا اقرار ہے۔ اور آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تُو کہدے کہ اس اعلیٰ تعلیم پر چلنے کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھے حکم دیا گیا ہے۔ یعنی میں ابراہیمی تعلیم پر نقل کے طور پر نہیں چل رہا۔ بلکہ مجھے وہ تعلیم براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم لوگ تو اس شبہ میں ہو کہ مَیں ابراہیمی مقام پر ہوں یا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مَیں ابراہیم کے مقام سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔ اور مَیں کہتا ہوں اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہ پہلا مسلم مَیں ہوں یعنی ابراہیم بھی اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنے والا تھا۔ اور

غرض اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ ع۳۳) کے یہ معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پاکیزگیٔ قلب کے خاص راز ظاہر کئے گئے تھے اور قدوسیت اور باطنی تعلیم پر زور دینے کے لئے ان کو خاص طور پر حکم دیا گیا تھا۔ اور ظاہری احکام کی باطنی حکمتیں انہیں سمجھائی گئی تھیں۔ اور انکے دَور میں تصوف نے زمانۂ بلوغت میں قدم رکھنا شروع کیا تھا +

دَورِ محمدی کا پیغام مذہب کی عمارت کی تکمیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مذہب کی عمارت تکمیل کے قریب پہنچ گئی تھی۔ مگر ابھی پوری تکمیل نہ ہوئی تھی۔ سو اس کام کے لئے سیّد ولد آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ دَور **دَورِ محمدی** ہے +

جامع کمالاتِ انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ آدمؑ بھی تھے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ اور صحیح تمدن کے قیام کا کام آپ کے سپرد کیا + آپ نوحؑ بھی تھے کہ آپ کو فرمایا گیا اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ (نساء ع۲۳) پس نوحؑ والا پیغام بھی آپکی وحی میں شامل تھا +

آپ ابراہیمؑ بھی تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (نحل ع۱۶) کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ تو ابراہیم بھی بن جا۔ کوئی کہے بن جا کہنا تو ایک حکم ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ واقعہ میں ابراہیم بن بھی گئے تھے؟ سو ہم کہتے ہیں اس کا ثبوت بھی قرآن سے ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (یوسف ع۱۲) دیکھ لو وہی مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ والا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی آگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ تُو دُنیا سے کہدے کہ توحید کامل کے علمبردار ہونے کا

و. خدا تعالیٰ نے اس کا. تو. جواب دیا وہ اجمالی جواب ہے. بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنا آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھا دیا تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں دکھایا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک موقعہ پر بھی خدا تعالیٰ سے یہ نہیں کہا کہ خدایا تو مجھے اپنا وجود دکھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا کہ ہم نے اُسے اپنا چہرہ دکھا دیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو صرف ہمارا خیال ہے۔ کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو دیکھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم ع) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم اس طرح آمنے سامنے کھڑے ہوگئے جس طرح ایک کمان دوسری کمان کے مقابل پر کھڑی ہوتی ہے۔ اور اُن کا ہر سرا دوسرے سرے کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب ہوئے اور اتنے قریب ہوئے کہ جس طرح کمان کی دو نوکیں آمنے سامنے ہوتی ہیں۔ اسی طرح مَیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آمنے سامنے ہوگئے اور ہم دونوں میں اتصال ہوگیا۔ گویا جس امر کا موسیٰؑ نے مطالبہ کیا تھا۔ اُس سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے خود ہی دکھا دیا۔

(۳) تیسرا امتیاز اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ پر یہ بخشا ہے کہ حضرت موسیٰ کی نسبت تو یہ آتا ہے کہ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (نساء ع ۲۳) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۔ (نساء ع ۲۳) یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم نے تیری طرف نوح جیسی وحی بھی نازل کی ہے اور اُن تمام نبیوں جیسی وحی بھی جو اُن کے

میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اور زمانہ کے لحاظ سے ابراہیم کو تقدم حاصل ہے اور بظاہر اوّل المسلمین وہ بنتا ہے۔ لیکن تقدم زمانی اصل شئے نہیں۔ تقدم مقام اصل شئے ہے۔ اور اس کے لحاظ سے میں ہی اوّل المسلمین ہوں۔ اور ابراہیم میرے بعد ہے +

رسول کریم صلعم میں موسوی کمالات

پھر موسوی کمالات بھی آپ کے اندر پائے جاتے تھے۔ جیسے سورہ مزمل میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے یہ مشابہت، مشابہت مماثلت نہیں ہے۔ بلکہ اعلےٰ کی ادنیٰ سے مشابہت ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کے مقابل پر جو امتیازات حاصل ہیں ان کو بھی قرآن کریم نے کھولکر بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل امور کو پیش کیا جاتا ہے :۔

(۱) خدا تعالےٰ نے موسیٰ کی نسبت تو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ایک ایسی کتاب دی جو تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ تھی۔ اور یہاں یہ فرمایا کہ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ٥ (یوسف ع) کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ موسیٰ کو جب ایک مفصّل ہدایت نامہ مل گیا تو اس کے بعد اب جو تعلیم تم پیش کر رہے ہو یہ جھوٹی ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ جھوٹی نہیں۔ بلکہ پہلی کتابوں میں اسکے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور اس کے ذریعہ سے وہ پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں اور اس میں تمام احکام موجود ہیں اور یہ مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے پس جس کتاب کی خبر خود موسیٰ کی کتاب نے دی ہے وہ بے کار کس طرح ہو سکتی ہے۔ یقیناً اس میں زائد خوبیاں ہیں تبھی تو موسیٰ کی کتاب نے اسکی اُمید دلائی۔ ورنہ موسیٰ کی کتاب کے بعد اسکی کیا ضرورت تھی +

(۲) پھر موسیٰ نے تو یہ کہا تھا کہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اعراف ع)،

ہم نے ہی یہ قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے لفظوں اور اسکی رُوح دونوں کے محافظ ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد اسکی حفاظت کا کام نہیں +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسوی کمالات

پھر آپؐ میں عیسوی کمالات بھی پائے جاتے تھے۔ عیسوی کمالات کے ذکر میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے۔ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ ع۳) کہ ہم نے اسکی رُوح القدس سے تائید فرمائی۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ٥ (نحل ع۱۴) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں سے کہدے کہ خدا نے یہ کلام رُوح القدس کے ذریعہ سے نازل کیا ہے۔ سچائی اور حق کے ساتھ۔ تا مومنوں کو یہ مضبوط کرے اور اس میں ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور بشارتیں ہیں +

پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ جو کہا تھا۔ کہ شریعت لعنت ہے۔ جس سے آپکی غرض یہ تھی۔ کہ محض ظاہر کے پیچھے پڑ جانا اور باطنی اصلاح کو ترک کر دینا ایک لعنت ہے۔ اُس کے لحاظ سے قرآن کریم نے بھی فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ (الماعون) کہ لعنت ہے اُنپر اور عذاب ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لئے جو نماز کی رُوح سے غافل ہیں۔ اور نماز محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے پڑھتے ہیں۔ یہ وہی وَیل کا لفظ ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں استعمال کرتے ہوئے کہا کہ محض ظاہر شریعت کی اتباع لعنت ہے۔ آپ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ نماز لعنت ہے یا روزہ لعنت ہے یا صدقہ لعنت ہے یا غریبوں اور مساکین کی خبر گیری کرنا لعنت ہے۔ بلکہ آپ کا یہ مطلب تھا کہ ظاہر میں نیکی کے اعمال کرنا اور باطن میں اُن اعمال کا کوئی اثر نہ ہونا ایک لعنت ہے۔ مگر عیسائیوں نے غلطی سے اس کا

بعد ہوئے۔ اور ہمنے تجھکو ابراہیم کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور اسمٰعیلؑ کے کمالات بھی دیئے ہیں اور اسحٰق کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور یعقوب کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور یعقوب کی اولاد کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور عیسٰی کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کے کمالات بھی دیئے ہیں۔ اور داؤد کو جو زبور ملی تھی وہ بھی ہمنے تجھے دی ہے۔ اور جو موسٰی سے ہمنے خاص طور پر بالمشافہہ کلام کیا تھا وہ انعام بھی ہمنے تجھے دیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ محمدی وحی موسٰی اور دوسرے نبیوں کی وحی کی جامع ہے۔ اس میں وہ نوعِ بھی ہے جو نوحؑ اور دوسرے انبیاء کی وحی میں تھی۔ اور پھر موسٰی کی وحی کی طرح اس میں کلام لفظی بھی ہے۔ بلکہ اس میں موسوی وحی سے بھی ایک زائد بات یہ ہے کہ موسٰی پر جو کلام اُترتا تھا۔ اُسے حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے الفاظ میں لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ جیسے ہم کسی کو کہیں کہ تم جاؤ اور فلاں شخص سے کہو کہ زید کو بخار چڑھا ہوا ہے تو بالکل ممکن ہے کہ وہ جائے اور زید مثلاً اس کا بھائی یا باپ ہو۔ تو بجائے یہ کہنے کے کہ زید کو بخار چڑھا ہوا ہے یہ کہدے کہ میرے بھائی یا باپ کو بخار چڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں گو لفظی کلام اُترتا تھا۔ مگر حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے الفاظ میں اُسے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ ترقی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی اور اب ایک ایسی شریعت نازل ہونی تھی۔ جو آخری اور جامع شریعت تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس وحی کے الفاظ بھی محفوظ رکھے جاتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (قیامۃ ع۱) کہ موسٰی کے زمانہ میں تو کلام ہم نازل کرتے تھے۔ اور پھر وہ اپنے الفاظ میں اُس کلام کا مفہوم لکھ لیتا تھا۔ اور گو مفہوم ہمارا ہی ہوتا تھا۔ مگر الفاظ موسٰی کے ہو جاتے تھے۔ لیکن تیرے ساتھ ہمارا یہ طریق نہیں۔ بلکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارا کام ہے۔ جو ہم کہیں وہی لفظ پڑھتے جانا اور پھر اُسے لکھ لینا۔ اپنے پاس سے اس کا ترجمہ نہیں کرنا۔ اسی طرح فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ع۱)

یہ ہو سکتا ہے۔ کہ تم قرآن چھوڑ دو اور گر جاؤ پس فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ
اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اب سوال یہ ہے کہ کفار کیوں مایوس ہو گئے
اس کا جواب یہ دیا کہ (۱) دین مکمل کر دیا گیا ہے۔ اِکمال دین سے مُراد شریعت
کا نزول اور اس کا قیام ہے کیونکہ عمل میں آ جانے سے دین مکمل ہوتا ہے
اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے طبی مدارس کے سب طالب علم سرجری کی
کتابیں تو پڑھتے ہی ہیں۔ مگر کتابیں پڑھنے سے اُنہیں اپریشن کرنا نہیں آتا بلکہ
عمل کرنے سے آتا ہے۔ ہمارے مُلک میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ مہاراجہ
رنجیت سنگھ جو گذشتہ صدی میں پنجاب کے بادشاہ تھے۔ ان کے دربار میں
ایک دفعہ دِلّی کا کوئی حکیم آیا۔ جو گو علم طب خوب پڑھا ہُوا تھا۔ مگر اُسے تجربہ
ابھی حاصل نہیں تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک وزیر ایک مسلمان بھی تھا
جو طبیب بھی تھا۔ اس لئے علاوہ وزارت کے طب کا کام بھی اُس سے لیا جاتا
تھا۔ بلکہ اُس پُر آشوب زمانہ میں اِسی فن کی وجہ سے وہ بچا ہُوا تھا۔ نو وارد
طبیب نے وزیر سے اپنی سفارش کے لئے استدعا کی۔ اور وزیر نے بوجہ
اپنی شرافت کے اس سے انکار نہ کیا بلکہ مہاراجہ کی خدمت میں اُسے
پیش کر دیا۔ مگر ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ حضور علم طب ان حکیم صاحب نے خوب
حاصل کیا ہُوا ہے اگر حضور نے پرورش فرمائی تو حضور کے طفیل انہیں
تجربہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت ذہین آدمی تھا فوراً
حقیقت کو تاڑ گیا اور کہا کہ وزیر صاحب یہ دہلی سے آئے ہیں۔ جو شاہی شہر ہے
انکی قدر کرنا ہم پر فرض ہے۔ مگر کیا تجربہ کے لئے انہیں غریب رنجیت سنگھ کی
جان ہی نظر آئی ہے؟ انہیں دس ہزار روپیہ انعام دے دو اور رخصت کرو کہ
کہیں اور جا کر تجربہ کریں۔ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں یہ سبق ہے کہ بغیر تجربہ
میں آنے کے علم کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اور شریعت کا علم اس سے باہر نہیں ہے۔ تو

یہ مطلب سمجھ لیا کہ نماز عزت ہے۔ وہ لعنت ہے۔ اسی طرح فرمایا لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ (حج ع ۵) کہ ظاہری قربانیاں جو تم کرتے ہو وہ خدا تعالیٰ کو نہیں پہنچتیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو وہ اخلاص پہنچتا ہے جس کے ماتحت قربانی کی جاتی ہے۔ اور وہ محبت الٰہی پہنچتی ہے جو اس قربانی کی محرک ہوتی۔ یہی تعلیم ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دی ۔

جامع جمیع کمالاتِ رُسل

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالاتِ رُسل تھے۔ آپؐ میں آدمؑ کے کمالات بھی تھے۔ آپؐ میں نوحؑ کے کمالات بھی تھے۔ آپؐ میں ابراہیمؑ کے کمالات بھی تھے۔ آپؐ میں موسٰیؑ کے کمالات بھی تھے اور آپؐ میں عیسٰیؑ کے کمالات بھی تھے۔ اور پھر اُن سب کمالات کو جمع کرنے کے بعد آپؐ میں خالص محمدؐی کمالات بھی تھے۔ گویا سب نبیوں کے کمالات جمع تھے اور پھر اس سے زائد آپؐ کے ذاتی کمالات بھی تھے۔ پس جو دین آپؐ لائے وہ جامع جمیع ادیان ہوا۔ اور اُسکی موجودگی میں باقی مذاہب میں سے کسی مذہب کی پیروی کی ضرورت نہ رہی ۔

آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے معنے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو بشارت دی اور فرمایا۔ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ع ۱) کفار مایوس ہوگئے ہیں کہ اب اس دین پر غالب آنا ناممکن ہے اور وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لا سکتے۔ پس یہ خیال اب نہیں ہوسکتا کہ کافر اپنے زور سے جیت جائیں۔ ہاں یہ خیال ہر وقت ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد واپس لے لے۔ پس اس سے ڈرو اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ قرآن کی موجودگی میں تم پر کافر کبھی فتح نہیں پا سکتا۔ ہاں

دینی نعمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن مذاہب میں شریعت کا دائرہ سیاسیات اور تمدنی احکام تک وسیع ہوتا ہے انکے لئے بادشاہت ضروری ہے۔ اگر بادشاہت نہ ہو تو اُن احکام دین کا اجراء کس طرح ہو جو سیاسیات اور تمدن وغیرہ سے متعلق ہیں۔ پس یہاں بادشاہت سے مُراد وہ بادشاہت نہیں جو دین سے خالی ہو وہ تو ایک لعنت ہوتی ہے۔ یہاں بادشاہت سے مراد وہ بادشاہت ہے جو احکام شرعیہ کو جاری کرے۔ جیسے داؤدؑ کو بادشاہت ملی یا سلیمانؑ کو بادشاہت ملی۔ اور انہوں نے اپنے عمل سے شریعت کے سیاسی اور تمدنی احکام کا اجراء کر کے دکھا دیا۔ پس جب شریعت کے دائرہ میں تمدنی اور سیاسی احکام ہوتے ہیں۔ اُسے لازماً ابتدا ہی میں بادشاہت بھی دی جاتی ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت نہ دی جائے۔ تو شریعت کے ایک حصہ کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو جائے۔ چنانچہ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خُدا نے بادشاہت عطا فرما دی تھی۔ ہمیں جب کسی مسئلہ میں شبہ پڑتا ہے ہم یہ دیکھ لیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کس طرح کیا تھا۔ اِس طرح سُنت ہماری مشکلات کو حل کر دیتی ہے۔ لیکن اگر بادشاہت آپ کو حاصل نہ ہوتی تو سیاسی۔ قضائی اور بہت سے تمدنی معاملات میں صرف آپکی تعلیم موجود ہوتی۔ آپ کے عمل سے اسکی صحیح تشریح ہمیں نہ معلوم ہو سکتی۔ پس یہ بات ضروری ہے اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ کہ ایسی شریعت جو سیاست اور تمدن پر حاوی ہو اُس کے ابتداء ہی میں بادشاہت حاصل ہو جائے۔ پس جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا سے مُراد وہی بادشاہت ہے جو احکام دین کے اجراء کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اور جس کا نفاذ بسا اوقات غیر مامور خلافت کے ذریعہ سے بھی کرایا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا کہ تم کو (۱) مامور خلافت (۲) غیر مامور خلافت (۳) اور افضل شریعت مل گئی اور یہ انعام ہے۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ اَتْمَمْتُ

شریعت بھی جب تک عمل میں نہ آئے اسکی تفصیلات کا پتہ نہیں چلتا اور وہ مکمل نہیں ہوتی۔ پس اتمام دین سے مُراد یہ ہے کہ احکام دین نازل ہو جائیں اور پھر وہ عمل میں بھی آجائیں۔ (۲) اسی طرح فرمایا کفار اس لئے مایوس ہو گئے ہیں کہ اتمام نعمت ہو گیا اور اتمام نعمت اس طرح ہوتا ہے۔ کہ فیوض جسمانی و روحانی کا کامل اضافہ ہو۔ اور ہر دو انعامات حاصل ہو جائیں۔ اور جب کسی شخص کو کسی کام کا نتیجہ مل جائے تو وہ اُس کے سچا ہونے میں شک کر ہی نہیں سکتا۔ اگر ایک کالج کی تعلیم کے بعد ڈگری مل جائے یا ایک محکمہ کی سروس کے بعد سرکار سے انعام مل جائے۔ تو کون شک کر سکتا ہے کہ وہ کالج جھوٹا ہے۔ یا وہ محکمہ فریب ہے۔ اسی طرح جب کسی دین پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جسمانی اور رُوحانی دونوں فیوض حاصل ہونے لگیں اور اس طرح اتمامِ نعمت انسان پر ہو جائے تو کون اسکی سچائی سے انکار کر سکتا ہے۔

نعمت کیا ہے

اب ہم قرآن کریم سے ہی دیکھتے ہیں کہ نعمت کیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (مائدہ ع) یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ اے میری قوم خدا تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی۔ کہ اُس نے تم میں سے نبی بنائے اور پھر تمہیں بادشاہت بھی دی۔ اور پھر تمہیں وہ تعلیم دی جو پہلے تمہیں معلوم نہ تھی اس سے معلوم ہُوا کہ نعمت سے مُراد (۱) اجرائے نبوّت (۲) بادشاہت اور (۳) دوسرے مذاہب سے افضل تعلیم ہے۔ کیونکہ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ سے اجرائے نبوت کا ثبوت ملتا ہے۔ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا سے بادشاہت کا۔ اور وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ سے اس امر کا کہ ایسی تعلیم ملے جو دوسرے مذاہب سے افضل ہو اور انسان اسپر فخر کر سکے۔

سلطنت کا وجود بعض مذاہب کے لئے ضروری ہے

اب اگر کوئی کہے کہ بادشاہت کیونکر مذہبی لحاظ سے

اس کلیہ کے مطابق وہ اس سے افضل ہے۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ یہ تو ہوئی نعمت۔ مگر آیت میں تو اتمامِ نعمت کا ذکر ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے نعمت تو دی۔ مگر اتمامِ نعمت کیونکر ہوئی؟ تو اس کا جواب اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (نساء ع ۹) کہ وہ لوگ جو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین میں شامل کر دیگا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نزول شرائع کے بعد یہ نقص جو پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ شریعت کو بھول جاتے ہیں۔ اور تعلیم باوجود موجود ہونیکے بیکار ہو جاتی ہے۔ اس سے گو کسی تعلیم کی افضلیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ خود بندوں کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ اسپر عمل کریں یا نہ کریں۔ لیکن چونکہ اس قسم کی بیماری کا خطرہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم بتا دیتے ہیں کہ ایسے خطرہ کے اوقات میں اسلام کو باہر سے کسی کی امداد کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ خود ہی تعلیم اپنے نقص کا علاج پیدا کرے گی۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا نقص خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کے ذریعہ سے دُور ہو جائے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تعلیم کے بھول جانے کا علاج موسیٰ کے وقت میں بھی ہؤا۔ مگر اس وقت باہر سے طبیب بھیجا جاتا تھا۔ یعنی ایسا شخص کھڑا کیا جاتا تھا۔ جو گو امتِ موسوی میں سے ہی ہوتا۔ مگر مقامِ نبوت اسے براہ راست حاصل ہؤا کرتا تھا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ جب کبھی اس میں کوئی نقص پیدا ہو۔ آپ کا کوئی غلام ہی اس نقص کو دُور کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ گویا آیندہ جو مرض پیدا ہوگا اس کا علاج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہی نکل آئے گا۔

اسلامی تعلیم کے افضل ہونیکے دلائل

اب میں اسلام کی تعلیم کے افضل

عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ (۱) آپ کی اُمت میں اجرائے نبوت رہے گا۔ (۲) اجرائے خلافتِ حقہ ہوگا۔ (۳) اور آپ کو افضل تعلیم دی گئی ہے۔ پھر آپ کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر ع) کہ جو تعلیم تجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں کسی کا دخل نہیں وہ لفظی الہام ہے اور ہم اُسکی حفاظت کرتے رہیں گے۔ پس جس تعلیم کی حفاظت کی جائے۔ اسکے معنے یہ ہیں۔ کہ وہ آیندہ بھی افضل رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا اگر کوئی کلام منسوخ ہو تو اس سے بہتر لایا جاتا ہے جس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جس کلام کو منسوخ نہ کیا جائے اس سے بہتر اور کوئی کلام نہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ قرآن کریم نہ صرف گذشتہ تمام الہامی کتابوں سے افضل ہے بلکہ ہمیشہ افضل رہے گا اور اسکی تنسیخ کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ قرآن کریم اور باقی الہامی کتب کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے کابل میں بھی حکومت کے وہی شعبے ہیں جو حکومت برطانیہ کے شعبہ جات ہیں۔ لیکن حکومتِ کابل کے مقابلہ میں حکومت برطانیہ زیادہ مضبوط اور زیادہ مفید کام کرنے والی ہے۔ اسی طرح گو باقی الہامی کتب بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ مگر قرآن کریم کی تعلیم ان سب سے زیادہ اعلیٰ ہے اور ہمیشہ اعلیٰ رہے گی +

اسلام کا انقلابِ عظیم

پس ان دو آیتوں سے اس انقلابِ عظیم کا پتہ لگ گیا جو اسلام کے ذریعہ سے ہُوا۔ یعنی (۱) اجراءِ نبوت (۲) اجرائے خلافت (۳) افضل تعلیم۔ اگر کہا جائے کہ یہی لفظ موسیٰ کی نسبت آئے ہیں۔ پھر موسیٰ کی تعلیم سے یہ بڑھ کر کیونکر ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا جو تعلیم پہلی تعلیم کو منسوخ کردے وہ اس سے بہتر ہوتی ہے۔ چونکہ محمدی تعلیم نے موسوی تعلیم کو منسوخ کر دیا ہے۔ اِس لئے

مقامِ عبادت کو وسیع کر دیا گیا ہے

چوتھے اسلام نے مقامِ عبادت کی قید کو اڑا دیا ہے۔ اور مقامِ عبادت صرف نظام کے لئے رہ گیا نہ کہ خود عبادت کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہندو مندر میں اور عیسائی گرجا میں عبادت کرتے۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپؐ نے فرمایا جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا روئے زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی ہے اس سے قبل جو انبیاء گزرے ہیں۔ انکی تعلیم میں اس امر پر خاص زور تھا کہ عبادت خاص مقامات پر کی جائے۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو خدا تعالےٰ نے آپؐ کے ذریعہ سے تمام زمین کو مسجد بنا دیا۔ اور در اصل پہلے انبیاء کا دین چونکہ محدود تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے مقامِ عبادت کو بھی محدود کر دیا۔ مگر جب خدا تعالےٰ نے زمین کے چپہ چپہ کو پاک کرنے کے لئے اپنا دینِ اسلام بھیج دیا۔ تو ساتھ ہی یہ بھی حکم دے دیا۔ کہ تم بھی چپہ چپہ کو مسجد بنا کر پاک کر لو +

لفظی وحی کا نزول

پانچویں آنحضرت صلعم پر جو وحی نازل ہوئی وہ سب کی سب معین الفاظ میں نازل ہوئی اور ان الفاظ کو محفوظ رکھنے کا نہ صرف حکم دیا گیا بلکہ اسکے محفوظ رکھنے کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ بھی فرمایا اور ذمہ بھی اٹھایا اس کے نتیجہ میں بحث اور تحقیق کے اصول میں بہت بڑا فرق پڑ گیا۔ پہلے یہ سوال ہؤا کرتا تھا کہ یہ موسیٰ کا فقرہ ہے یا خدا کا۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے جو تعلیم دی۔ اُس کا ہر لفظ خدا تعالےٰ نے خود اُتارا۔ بلکہ اسکی زیر اور اسکی زبر بھی خدا تعالےٰ نے خود اُتاری +

مَیں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے کہ قرآن کریم میں مختلف مسائل کا تکرار ہؤا ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ مَیں اسے یہ جواب دیتا ہوں کہ قرآن مجید میں کوئی تکرار نہیں۔ لفظ تو الگ رہے۔ قرآن مجید میں تو زیر اور زبر کی بھی تکرار نہیں۔ جو زیر ایک جگہ استعمال ہوئی ہے اسکی غرض دوسری جگہ آنیوالی

ہونے کی بعض مثالیں دیتا ہوں ..

کتاب کے ساتھ حکمت کا بیان

اسلام میں احکام مع دلیل بیان ہوئے ہیں۔ جس سے تصوفِ کامل کی بنیاد خود اصل کتاب سے پڑی ہے۔ یہود کی طرح کسی اور نبی کے توجہ دلانے کی ضرورت پیدا نہیں ہوئی۔ قرآن مجید سے قبل جو سماوی کتب تھیں ان میں احکام تو دیئے جاتے تھے۔ مگر بالعموم انکی تائید میں دلائل نہیں دیئے جاتے تھے۔ مثلاً یہ تو کہا جاتا تھا کہ نماز پڑھو۔ مگر یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ کیوں نماز پڑھو؟ اس میں کیا فائدہ ہے اور اسکی کیا غرض ہے؟ مگر قرآن کریم نے جہاں احکام دیئے ہیں وہاں ان احکام کے دلائل بھی دیئے ہیں اور ان کے فوائد بھی بیان کئے ہیں۔ اس طرح تصوّف کی بُنیاد خود قرآن کریم میں آگئی۔ اور اس کے لئے کسی علیحدہ نبی کی ضرورت نہ رہی۔ جیسے یہود کو حضرت مسیحؑ کی ضرورت محسوس ہوئی تھی +

وسطی تعلیم

دوسرے قرآن وسطی تعلیم لے کر آیا ہے جو ہر حالت کے مطابق ہے۔ اور جہاں بھی انسانی طاقت میں فرق پڑتا ہے۔ اس حالت کے لحاظ سے مسئلہ بھی موجود ہوتا ہے +

خدا اور بندہ کا براہِ راست تعلق

تیسرے پریسٹ ہڈ کو اس میں مٹا دیا گیا ہے۔ یعنی پادریوں اور پنڈتوں کا خدا اور بندہ کے درمیان عبادت الٰہی میں واسطہ ہونے کا خیال قرآن مجید نے بالکل اُڑا دیا ہے۔ موسوی اور عیسوی عہد میں اسپر بڑا زور تھا۔ مگر اب ہر مومن آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ اور یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ کسی خاص مولوی کو ہی بُلایا جائے۔ یہ انقلاب بھی درحقیقت ایک عظیم الشان انقلاب تھا۔ کیونکہ دُنیا ہزارہا سال سے اس قید میں جکڑی ہوئی تھی لیکن قرآن مجید نے اسے ایک آن میں توڑ کر رکھ دیا۔ اور بتا دیا کہ عبادت میں کوئی شخص واسطہ نہیں ہوسکتا۔

اسلام کی یہ تعلیم عیسائیوں کے لئے تو اتنی حیرت انگیز ہے کہ وہ کئی دفعہ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ جب آپ میں پادری نہیں ہوتا تو آپ عبادت کس طرح کرتے ہیں؟ +

ہے اور اتنی تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اب اگر کوئی جان بوجھ کر شرارت سے قیامت کا انکار کرے تو کرے۔ ورنہ دلائل کے لحاظ سے وہ قیامت کا ہرگز انکار نہیں کرسکتا +

شرعی اصطلاحات کا قیام

آٹھویں افضلیت قرآن کریم کو یہ حاصل ہے کہ اس میں شرعی اصطلاحات کا نیا دروازہ کھولا گیا۔ جو اس سے پہلے بالکل مفقود تھا۔ یعنی قرآن کریم سے پہلے جن باتوں کو مضامین میں ادا کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے لئے اصطلاحیں قائم کر دیں۔ اور ایسی اصطلاحیں قائم کیں۔ جو پہلے نہیں تھیں۔ اور پھر ان اصطلاحوں کے ایسے معیّن معنے کئے۔ جن میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ مثلاً قرآن کریم نے نبی کا لفظ استعمال کیا ہے تو اسکی تعریف بھی بیان کی ہے اور پھر بتایا ہے کہ نبی کب آتے ہیں ان کے پہچاننے کے لئے کیا نشانات ہوتے ہیں۔ ان کا کام کیا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ان سے کیا معاملہ ہوتا ہے۔ بندوں سے ان کا کیا تعلق ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اسی قسم کی اور بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو قرآن کریم کے علاوہ اور کسی مذہبی کتاب نے بیان نہیں کیں۔ اور یہ ایک ایسی زبردست خوبی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا +

پیغامیوں سے جب ہمارا مقابلہ زوروں پر تھا۔ اُن دنوں مَیں نے ایک دفعہ بڑے بڑے پادریوں۔ سکھ گیانیوں۔ ہندوؤں کے پنڈتوں اور یہودیوں کے فقیہوں سے خط لکھ کر دریافت کیا۔ کہ آپ کے مذہب میں نبی کی کیا تعریف ہے؟ تو بعض نے تو اس کا جواب ہی نہ دیا۔ بعض نے یہ جواب دیا۔ کہ اس بارہ میں ہمارے مذہب میں کوئی خاص تعلیم نہیں۔ چنانچہ ایک بڑے بشپ کا بھی یہ جواب آیا۔ کہ اس مضمون پر ہماری کتب میں کوئی خاص روشنی نہیں ملتی +

اسی طرح ملائکہ کیا ہوتے ہیں۔ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ انکے ذمہ کیا کیا فرائض

زیر سے مختلف ہے۔ اور جو زبر ایک جگہ استعمال ہوئی ہے۔ دوسری جگہ آنے والی
زیر سے اس کے معنے مختلف ہیں۔ یہ قرآن مجید کی وہ خوبی ہے جو کسی اور الہامی
کتاب کو ہرگز حاصل نہیں +

صفات الٰہیہ کی مفصل تشریح

چھٹے اسلامی تعلیم میں صفات الٰہیہ کی باریک در باریک تشریح
کی گئی ہے جس کے مقابل میں یہودی تعلیم بھی مات پڑ گئی۔ اس
میں کوئی شبہ نہیں کہ یہودی کتب میں صفات الٰہیہ کا تفصیلی
ذکر ہے مگر ان میں صفات الٰہیہ کا باہمی تعلق بہت کم بیان کیا گیا ہے۔ مَیں نے ایک
دفعہ تجسس کیا تو مجھے قرآن کریم میں کوئی ایسی صفت الٰہی معلوم نہ ہوئی جو یہودی
کتب میں بیان نہ ہوئی ہو لیکن ایک بات جو صفاتِ الٰہیہ کے باب میں یہودی
کتب میں بھی نہیں پائی جاتی مگر قرآن میں پائی جاتی ہے۔ یہ ہے کہ قرآن نے اس
بات پر بحث کی ہے۔ کہ مثلاً رحمانیت کا میدان کہاں سے شروع ہوتا ہے؟
رحیمیت کے دَور کا کس جگہ سے آغاز ہوتا ہے۔ اور ان تمام صفات کا آپس میں
کیا تعلق ہے؟ مگر توریت نے اسپر بہت کم روشنی ڈالی ہے۔ گویا صفاتِ الٰہیہ
کے مختلف اداروں کا جو باہمی تعلق ہے۔ قرآن کریم میں اسکی تشریح بیان کی گئی ہے
لیکن تورات نے اداروں کا ذکر تو کر دیا ہے مگر ان کے باہمی تعلق کا ذکر نہیں کیا
جس کی وجہ سے سالک ان سے پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور یہ اُس کی فضیلت کا
ایک بیّن ثبوت ہے +

مسائل معاد پر کامل روشنی

پھر ایک بہت بڑی فضیلت جو قرآن کریم کو حاصل ہے۔ یہ
ہے کہ اس میں علمِ معاد پر علمی اور فلسفیانہ بحث کی گئی ہے
جس سے یہودی لٹریچر بالکل خالی تھا حتّٰی کہ ان میں قیامت
کے منکرین کا زور تھا۔ اور بہت تھوڑے تھے جو قیامت کے قائل تھے۔ مگر
قرآن کریم وہ پہلی کتاب ہے جس نے مسائل معاد کی ساری تفصیلات پر بحث کی

کے قول اور اس کے فعل میں تضاد ہو۔ پس جب بھی تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو خدا کے قول اور خدا کے فعل کو مطابق کرو۔ جہاں یہ مطابق ہو جائیں۔ تم سمجھ لو کہ وہ بات صحیح ہے۔ اور جہاں ان میں اختلاف رہے۔ تم سمجھ لو کہ اب تک تم پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی۔ اس نکتہ سے مذہب اور سائنس میں جو لڑائی تھی وہ جاتی رہی۔ کیونکہ سائنس خدا کا فعل ہے۔ اور مذہب خدا کا کلام۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالےٰ کے قول و فعل میں تطابق نہ ہو۔ اور اگر کسی جگہ اختلاف ہو۔ تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے یا اس کے قول کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ یا اس کے فعل پر غور کرنے میں ہمیں غلطی لگی ہے۔ ان میں سے جس چیز کا نقص بھی دُور کر دیا جائے گا دونوں میں تطابق پیدا ہو جائے گا۔ اس نکتۂ عظیمہ کی وجہ سے مذہب فلسفہ کے میدان سے نکل کر مشاہدہ کے میدان میں آ گیا ہے +

اتحادِ اُمم کی بنیاد

گیارہویں عظیم الشّان فضیلت قرآن کریم کو یہ حاصل ہے کہ اس نے دعوےٰ کیا ہے کہ اس کا لایا ہُوا پیغام کسی ایک قوم یا دو قوموں کے لئے نہیں بلکہ ساری دُنیا کے لئے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(سباء ع۳) کہ اے رسول! ہم نے تجھے ساری دُنیا کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور تیرے ذریعہ سے ہم سب دُنیا کو ایک نظام پر جمع کرنیوالے ہیں +

اب دیکھو یہ کس قدر عظیم الشّان انقلاب ہے۔ اور انقلاب بھی ایسا جسکی مثال پہلے نہیں ملتی۔ پہلے ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور جو تعلیم وہ لاتا اپنی قوم کے لئے لاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں اگر کرشن حکومت کر رہے تھے تو ایران میں زرتشت حکومت کر رہے تھے اور چین میں کنفیوشس

ہیں۔ ان میں سے کوئی بات تفصیل کے ساتھ سابقہ الہامی کتب نے بیان نہیں کی۔ مگر اسلام نے اگر ایک طرف بعض روحانی وجودوں کے لئے ملائکہ کا لفظ وضع کیا ہے تو پھر خود ہی انکے وجود اور انکے کام پر کامل روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح ذاتِ الٰہی صفاتِ الٰہیہ۔ دُعا۔ قضا و قدر۔ حشر و نشر۔ جنّت و دوزخ۔ حیات جنّت وغیرہ ان سب امور کے لئے اس نے مصطلحات تجویز کی ہیں اور پھر انکی مکمل تشریح فرما کر انسانی دماغ کو ایسی روشنی بخشی ہے کہ وہ ان مسائل کو اسی طرح اپنے ذہن میں مستحضر کر سکتا ہے جس طرح کہ مادی علوم و امور کو۔ اور اس طرح علم کو پراگندہ ہونے اور دماغ کو پریشان ہونے سے اس نے بچا لیا ہے ۞

قرآنی تعلیم کی جامعیت

نویں فضیلت جو قرآن کریم کو حاصل ہے یہ ہے کہ گو اس سے پہلے موسوی سلسلہ میں سیاست اور عبادت اور تمدّن کو مذہب میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یعنی موسیٰ نے لوگوں سے کہا تھا کہ تمہیں میری حکومت مذہب میں بھی اور تمدّن میں بھی اور اخلاق میں بھی اور سیاست میں بھی ماننی پڑیگی۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کے ذریعہ سے اسکو اور زیادہ بڑھا دیا گیا۔ اور اسلام نے عبادت و رُوحانیت کی تعلیم کے علاوہ سیاست اور تمدّن کی تعلیم بھی دی۔ اور اخلاقیات اور اقتصادیات اور تعلیم اور معاشرت اور ثقافت کے مسائل کو بھی شریعت میں شامل کرکے انسانی زندگی کو ایسا کامل کر دیا۔ کہ اس کے عمل کا کوئی شعبہ صحیح ہدایت اور کامل نگرانی سے باہر نہیں رہ گیا۔

مذہب کو مشاہدہ پر قائم کیا گیا

دسویں فضیلت قرآن کریم کی تعلیم کو یہ حاصل ہے۔ کہ اس نے خدا کے قول اور خدا کے فعل کو ایک دوسرے کے لئے ممد اور متوازی قرار دے کر تجربہ اور مشاہدہ کے میدان میں مذہب کو لا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اسے صرف مافوق الطبعیات قرار دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن نے کہا۔ کہ دُنیا خُدا کا فعل ہے۔ اور مذہب خدا کا کلام۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خدا

توحید کے خیال کی صحت کو تسلیم کر رہی ہے۔ دشمنوں کو جو حیرت توحید کے دعویٰ سے ہوتی تھی۔ ویسی ہی آپ کے اس دعویٰ سے ہوئی کہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا۔ ہم نے تجھے ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کے بارہ میں آتا ہے وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ٥ لیکن اکثر لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

مَیں سمجھتا ہوں اس زمانہ میں لوگوں کے لئے یہ نکتہ سمجھنا ایسا ہی مشکل تھا جیسے آدم کے زمانہ میں لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا۔ کہ ایک غیر شخص جو ہمارے ہی جیسا ہو۔ ہمارے معاملات میں دخل دینے کا حق رکھتا ہے۔ کفارِ مکہ بھی اس دعویٰ پر سخت حیران ہوتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ پیدا تو ہؤا عرب میں۔ اور کہتا ہے کہ میں ایران کا بھی نبی ہوں۔ اور چین کا بھی نبی ہوں۔ اور مغرب کا بھی نبی ہوں۔ اور مشرق کا بھی نبی ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے اس استعجاب کا اظہار کرتے اور کہتے ہیں۔ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو۔ کہ ساری دنیا ایک جھنڈے کے نیچے آنے والی ہے۔ تو یہ بات کب ہوگی؟ فرمایا قُلْ لَّکُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ تُو ان لوگوں سے کہدے کہ بس اس زمانہ کے آنے میں اتنی ہی دیر ہے جتنی کہ سورۂ سجدہ میں بتائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥ (سجدہ ع) یعنی اللہ تعالےٰ امر اسلامی کو پہلے تو زمین میں قائم کرے گا۔ پھر وہ ایک ہزار سال کے عرصہ میں آسمان پر اُٹھ جائے گا۔

اس آیت میں اسلام کے پہلے ظہور کا زمانہ بتایا گیا ہے۔ جس میں سے ایک ہزار سال کا عرصہ معین کر دیا ہے۔ اور پہلا عرصہ غیر معین رکھا ہے۔ لیکن اسے حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ نے معین کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے

حکومت کر رہے ہیں۔ اسی طرح کوئی موسیٰ کی اُمت تھا تو کوئی عیسیٰ کی۔ مگر خدا نے کہا۔ اب دُنیا میں ایک ہی مذہبی حکومت ہوگی اور ظاہری اور باطنی طور پر تمام دنیا ایک ہی جھنڈے کے نیچے لائی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اس خصوصیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَّ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً۔ کہ پہلے ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جایا کرتا تھا۔ مگر میں روئے زمین کے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں ✦

یہ انقلاب چونکہ ایک نیا انقلاب تھا۔ اور لوگوں نے یہ پہلی دفعہ سُنا۔ کہ تمام دُنیا روحانی لحاظ سے ایک ہونے والی ہے۔ اس لئے وہ دنگ رہ گئے اور جس طرح آپؐ نے توحید کی تعلیم پیش کی تھی اور کفار حیران ہو گئے تھے ویسا ہی اس دعوےٰ کے وقت بھی ہوا۔ چنانچہ توحید کی تعلیم کے بارہ میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ کفار اسے سُنکر کہہ اٹھے اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰـھًا وَّاحِدًا۔ کہ دُنیا میں پہلے جو اتنے خُدا موجود ہیں۔ کیا ان سب کو اکٹھا کرکے یہ ایک خدا بنانا چاہتا ہے؟ یعنی کوئی ایرانیوں کا خدا ہے جسے وہ اہرمن یا یزدان کہتے ہیں۔ کوئی عیسائیوں کا خدا ہے جسے وہ گاڈ یا خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں۔ کوئی ہندوؤں کا خدا ہے جسے وہ پرمیشور یا اوم وغیرہ کہتے ہیں۔ کوئی یہودیوں کا خدا ہے جسے وہ یہوواہ کہتے ہیں۔ غرض یہ مختلف خدا ہیں جو دُنیا میں موجود ہیں۔ مگر اب یہ آکر کہہ رہا ہے۔ کہ صرف ایک خدا کو مانو۔ تو کیا یہ سب خداؤں کو اکٹھا کرکے ایک بنا دے گا؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے کہ اتنے خداؤں کو کوٹ کاٹ کر ایک خدا بنا دیا جائے ✦

غرض کفار کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے اس تعجب کا اظہار کیا۔ مگر اب دیکھو یزدان اور گاڈ اور اوم اور یہوواہ وغیرہ سب نام اللہ کے اندر آگئے۔ اور اللہ کا نام ہی سب ناموں پر غالب آگیا ہے۔ اور آج ساری دنیا

انجیل میں کہتے ہیں کہ :۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی ۔ ۱۵/۲۴)

اور یہی طرزِ عمل ان کے حواریوں کا بھی تھا۔ مگر آج میں ایک اور رنگ میں عیسائیوں کے اس دعوٰی کو باطل ثابت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اگر خدا نے کہا تھا کہ مسیح تمام دُنیا کی طرف ہے اور اس کے ذریعہ سے سب لوگ ایک جھنڈے کے نیچے آجائیں گے تو بہر حال خدا کی بات کیسے اُسے پُورا ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ یہ انقلابی تعلیم تھی۔ اور اس نئے دی گئی تھی۔ کہ سب دُنیا کو ایک کر دیا جائے۔ اور قومیتوں کو کمزور کر دیا جائے۔ اس لئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کیا اس مقصد کو مسیحیت نے پُورا کر دیا؟

عیسائی بیشک یُورپ میں بھی پھیلے اور چین میں بھی پھیلے۔ جاپان میں بھی پھیلے اور ہندوستان میں بھی پھیلے۔ اور ایسی ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں شاید مسلمان بھی نہیں پہنچے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس تعلیم کا جو مقصد تھا وہ پُورا ہو گیا؟ اس تعلیم کی غرض تو یہ تھی۔ کہ جُدائی کے خیالات مٹا دیئے جائیں۔ قومیتوں کو کمزور کر دیا جائے اور سب دُنیا کو مساوات کے جھنڈے کے نیچے لایا جائے۔ اب اگر مسیح کو خدا نے کہا تھا کہ تیرے ذریعہ سے اقوامِ عالم کا تفرقہ مٹ جائے گا اور سب دنیا ایک ہو جائے گی۔ تو عیسائیت کے ذریعہ سے یہ انقلاب پیدا ہو جانا چاہیئے تھا۔ اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے یہ کہا تھا کہ تیرے ذریعہ سے اقوامِ عالم کا تفرقہ مٹے گا۔ اور سب دُنیا ایک جھنڈے کے نیچے آئے گی۔ تو اسلام کے ذریعہ سے یہ انقلاب پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسیحیت سے زیادہ نیشنلزم اور قوم پرستی کی تعلیم کسی اور نے نہیں دی۔ اور دُنیا میں ایک ملک بھی تم نہیں دِکھا سکتے جہاں مسیحیت نے مساوات قائم کی ہو۔ لیکن دُنیا میں تم ایک ملک بھی ایسا نہیں دِکھا سکتے جہاں اسلام گیا ہو اور مساوات قائم نہ ہوئی ہو۔ آج انگریز

یِّیْ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الْفَیْجُ الْاَعْوَجُ۔ یعنی بہترین صدی میری ہے۔ پھر اس کے بعد کی صدی۔ پھر اس کے بعد کی صدی۔ پھر تباہی ہے +

تدبیر امر کا زمانہ

اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر امر کا زمانہ تین صدیاں ہیں اور اس کے بعد تباہی کا زمانہ۔ ایک ہزار سال۔ اور اس کے بعد پھر ترقی کا زمانہ۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سو سال بعد اسلام کا دوبارہ اِحیاء مقدر بتایا گیا تھا +

پس اس جگہ جو قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ کہا ہے تو اس سے اسی یوم کی طرف اشارہ ہے جس کا سورۂ سجدہ میں ذکر ہے۔ اور وہ ہزار سال تنزّل اسلام کے ہیں۔ جس کے بعد بتایا گیا ہے کہ پھر اسلام ترقی کرے گا اور ساری قوموں میں پھیل جائے گا۔ کیونکہ وہ زمانہ تکمیلِ اشاعت اسلام کا زمانہ ہو گا۔ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (صف۔ ع) بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے +

میعادِ یوم سے مراد

پس اس جگہ میعاد یوم سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ سے پہلے کے تنزّلِ اسلام کے ہزار سالہ دَور کی طرف اشارہ ہے جس کے بعد اسلام کی دوبارہ ترقی مقدر کی گئی تھی +

حضرت مسیح کا حلقۂ بعثت

بعض عیسائی اس موقعہ پر کہا کرتے ہیں کہ یہ تعلیم تمہاری نئی نہیں۔ ہمارے مذہب کی بھی یہی تعلیم ہے۔ کہ تم اپنا پیغام تمام دُنیا کو پہنچاؤ۔ اور ہمارا مسیح بھی کسی ایک قوم کی طرف مبعوث نہیں ہُوا تھا بلکہ تمام دُنیا کی طرف تھا +

میں اپنے ایک پُرانے مضمون میں عیسائیوں کے اس دعویٰ کا جواب دے چکا ہوں۔ اور انجیلوں کے متعدد حوالجات سے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ حضرت مسیح ناصری تمام دُنیا کی طرف نہیں آئے بلکہ محض بنی اسرائیل کی طرف آئے۔ اور وہ خود

ایک ہونے والی ہے۔ اور سب دنیا ایک ہی جھنڈے کے نیچے آنے والی ہے۔ تو عیسائیوں نے اس سے دھوکہ کھایا۔ اور انھوں نے سمجھا کہ ابھی سے اس کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن چرایا ہوا لباس فِٹ کہاں آ سکتا تھا۔ خدا کے فضل نے ثابت کر دیا کہ اسکے مخاطب عیسائی نہیں تھے بلکہ مسلمان اس کے مخاطب تھے +

اسلامی انقلاب غرض ان تغیرات کے ماتحت اسلام نے دُنیا کے علم۔ اس کے فکر۔ اس کے فلسفہ۔ اس کے جذبات۔ اس کے مذہب۔ اسکی سیاست۔ اس کے اخلاق۔ اس کے تمدن۔ اسکی معاشرت۔ اس کے اقتصادیات اور اسکی ثقافت کو بالکل بدل دیا۔ اور دُنیا اَور سے اَور ہو گئی۔ اور ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کر دی +

اسلام اور دوسرے مذاہب میں مشابہت کی اصل وجہ آج جو مشابہت اسلام اور ان مذاہب میں نظر آ رہی ہے یہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ مشابہت والے امور ان مذاہب میں پہلے سے موجود تھے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام کے ساتھ رہکر انہوں نے اسکی بعض تعلیموں کو اپنا لیا ہے۔ چنانچہ دین تو الگ رہا۔ یورپین لوگوں نے مسلمانوں کی کتابوں کی کتابیں نقل کی ہیں۔ اور ان علوم کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ چنانچہ آجکل یورپ میں کئی ایک ایسی کتب شائع ہو رہی ہیں۔ جن میں اس قسم کی چوریوں کو ظاہر کیا جا رہا ہے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا میں نے ایک کتاب انگلستان سے منگوائی ہے۔ اس میں علمِ موسیقی پر بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ یورپین لوگوں نے اس علم کو سپین کے مسلمانوں کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ بلکہ مصنف اس راز کا انکشاف کرتا ہے کہ میں اُن کتابوں کے حوالے دے سکتا ہوں جن سے یورپ کے لوگوں نے یہ باتیں نقل کیں۔ اور پھر کہتا ہے کہ اس اندھیر کو دیکھو کہ برٹش میوزیم میں فلاں نمبر پر فلاں کتاب ہے اس میں فلاں پادری کے نام کا ایک خط درج ہے۔ جو کسی

جرمن کا دشمن اور جرمن انگریز کا دشمن ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے
کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے ہوائی جہاز بناتے۔
توپیں ایجاد کرتے اور نئے سے نئے اور دُور دُور تک گولہ باری کرنے والے بم
بناتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے ایک ہندوستانی عیسائی سے ایک انگریز وہ تعلق
کبھی پیدا نہیں کرے گا۔ جو ایک جرمن دہریہ سے کریگا۔ اگر خدا نے اس کو سب
دُنیا کے لئے بھجوایا تھا تو اس کا نتیجہ وہ کیوں نہ نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا؟ اور تو اور
یورپین عیسائی تو ان سے بھی مساوات نہیں برتتے۔ جو ان کے خداوند کے بھائی
ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو۔ جرمن اور دوسرے ممالک میں یہودیوں پر کتنے مظالم کئے جاتے
ہیں۔ آخر یہ کون ہیں؟ یہ ان کے خداوند کے بھائی ہی تو ہیں۔ مگر یہ اُن سے بھی
مساوات برتنے کے لئے تیار نہیں +

اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر مساوات پیدا
کردی ہے۔ کہ ایک جاہل عرب۔ ایک منگتا عرب۔ ایک لٹیرا عرب دُنیا کے کسی
کونہ میں چلا جائے۔ مسلمانوں کی یُوں باچھیں کھل جاتی ہیں گویا ان کا کوئی بزرگ
زندہ ہوکر دُنیا میں واپس آگیا ہے۔ اور عرب صاحب عرب صاحب کہتے
ہوئے ان کا مُنہ خشک ہوتا ہے +

پس عیسائیوں کے اس دعوٰی کو خود خدا کا فعل رد کر رہا ہے۔ اور اسکے
فعل نے بتا دیا ہے کہ یہ انقلاب محمدؐی انقلاب ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہی اس تعلیم کے مخاطب تھے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ تعلیم نازل کی
جاتی۔ تو خدا تعالےٰ ان سے یہ کام بھی لیتا۔ ہاں چونکہ بشارت کی ہوائیں اصل موعود
کے آنے سے پہلے چلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جب عیسوی دَور میں محمدؐی
انقلاب کی بشارت آئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے بتایا
کہ ایک عظیم الشان نبی کے ذریعہ سے جو تمام نبیوں کا سردار ہوگا۔ سب دُنیا

مسلمان چونکہ اب اُن تمام عُلوم کو بُھلا بیٹھے ہیں۔ اور عیسائیوں نے یاد کر لئے ہیں۔ بلکہ ان ہیں زمانہ کی ترقی کے ساتھ ترقی ہو گئی ہے اور انکی شکل بھی بدل گئی ہے۔ اس لئے مسلمان پہچانتے نہیں ہیں۔ اور اب تو غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں میں نہ دین باقی ہے نہ اخلاق۔ نہ تمدن باقی ہے نہ سیاست۔ نہ تہذیب باقی ہے۔ نہ ثقافت۔ بس مغربیت ہی مغربیت ہے جو اِن کا اوڑھنا بچھونا بن رہی ہے۔ حالانکہ وہ تمام باتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جن سے پہلے مسلمانوں نے ترقی کی اور جن سے موجودہ مسلمان بھی ترقی کر سکتے ہیں۔ مگر قرآن کو تو انہوں نے بند کر کے رکھ دیا ہے اور مغربیت کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح چڑیا کا بچہ بیٹھا ماں کی راہ تک رہا ہوتا ہے +

انکی مثال بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ نے ایک دفعہ ہندوستان کے آم کی تعریف سنی۔ اور اس کے دل میں شوق پیدا ہُوا کہ آم کھائے۔ بادشاہ نے ہندوستان میں اپنا سفیر بھیجا کہ جاکر آم لے آؤ۔ جب وہ یہاں پہنچا تو آم کا موسم نکل چکا تھا۔ لیکن بادشاہ نے یہ خیال کر کے کہ یہ شاہِ ایران کا سفیر ہے اور دُور سے آیا ہے۔ دہلی اور اسکے گرد و نواح میں آم کی بڑی تلاش کرائی۔ آخر اسی تلاش اور جد و جہد کے نتیجہ میں ایک بے موسم کا آم مِل گیا۔ مگر سخت کھٹا اور ریشہ دار۔ بادشاہ نے اس سفیر کو بُلا کر کہا۔ کہ آم کی شکل آپ دیکھ لیں۔ ایسی ہی شکل ہوتی ہے۔ مگر ذائقہ بہت میٹھا ہوتا ہے یہ جو آم مِلا ہے یہ کچھ اچھا نہیں۔ لیکن چونکہ آپ نے اب واپس جانا ہے۔ اس لئے ذرا اسے چکھ لیں۔ تا آپ بادشاہ کے سامنے آم کی حقیقت بیان کر سکیں۔ اس نے چکھا تو سخت کھٹا اور بدمزا تھا۔ جب وہ واپس گیا اور شاہ ایران نے اس سے آم کی کیفیت پُوچھی۔ تو اس نے کہا۔ کہ مجھے ہندوستانیوں کی عقل کے متعلق شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا کیوں ؟ اس نے کہا وہ آم کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اور آپ نے بھی آم ہی کے لئے مجھے بھیجا تھا۔ مگر میں جو آم چکھ کر آیا

عیسائی نے انہیں لکھا تھا۔ کہ صاحب من! مسلمانوں کی موسیقی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور ہماری موسیقی اس کے مقابلہ میں بہت بھدّی معلوم ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے علوم کا یورپین لوگوں کے لئے ترجمہ کر دُوں۔ مگر مَیں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں کا علم نقل کرنے سے پادریوں کی طرف سے مجھ پر کُفر کا فتویٰ نہ لگ جائے آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے۔ اگر یہ علم نقل کر لیا جائے تو گرجوں کو اس سے بڑا فائدہ پُہنچے گا۔ اس کا جواب بشپ صاحب نے یہ دیا۔ کہ بیشک ان علوم کو اپنی کتابوں میں نقل کر لو۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔ اور وہ یہ کہ اگر تم نے نیچے حوالہ دیدیا تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ علم عربوں سے لیا گیا ہے۔ اور اس طرح اسلام کی عظمت ہمارے مذہب کے پیرؤوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو جائے گی پس تم نقل بیشک کرو۔ مگر حوالہ نہ دو تا لوگ یہ سمجھیں کہ یہ علم تم اپنی طرف سے بیان کر رہے ہو۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ خط آجتک برٹش میوزیم میں موجود ہے +

اسی طرح پیرس میں ۱۷۰۰ء تک ابن رشد کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا۔ مگر نام میں ذرا سا تغیر کر دیا جاتا تھا۔ تا لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ کسی مسلمان کا فلسفہ ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ روم کی یونیورسٹیوں میں ایک دفعہ فیصلہ کیا گیا کہ آیندہ فلسفہ کی یہ کتاب نہ پڑھائی جائے بلکہ فلاں کتاب پڑھائی جائے۔ کیونکہ اب فلسفہ ترقی کر چکا ہے تو پادریوں نے کُفر کا فتویٰ دے دیا۔ اور کہا کہ یہ بے دینی ہے۔ گویا ایک لمبا عرصہ گذرنے کے بعد انہیں اتنا خیال بھی نہ رہا۔ کہ وہ ایک مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب ہے بلکہ وہ یہ سمجھنے لگ گئے کہ یہ کسی عیسائی کی کتاب ہے۔ اور اگر اسکی جگہ اب کوئی اور فلسفہ پڑھایا گیا تو کُفر ہو جائے گا +

ہمارے لوگ ناواقفی کی وجہ سے بالعموم یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ بات بھی عیسائیوں سے لی گئی ہے۔ اور وہ بات بھی۔ حالانکہ مسلمانوں نے بحیثیت قوم عیسائیوں سے کوئی بات نہیں لی۔ مگر عیسائیوں نے مسلمانوں سے۔ بحیثیت قوم علوم سیکھے ہیں لیکن

احکام میں تبدیلی کر کے ایک نیا فلسفہ پیش کر دیتے ہیں۔ اور پھر چھوٹے بڑے سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ یہ ہمارا مذہب ہے۔ ایک مسلمان اس بات کو سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے کسی نے سو بیویاں کرنی ہوں۔ اور وہ دیکھے کہ قرآن میں اسکی اجازت نہیں۔ تو بڑے آرام سے مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ والی آیت کی جگہ سو عورتوں سے نکاح کرنے والا فقرہ لکھ دے اور پھر کہے۔ کہ مَیں نے اپنی مذہبی کتاب کی تعلیم کے مطابق سو بیویاں کی ہیں۔ ہر شخص اسے کہے گا۔ کہ تم نے اپنے ہاتھ سے ایک فقرہ لکھا ہے۔ وہ تمہارا خیال تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر اسے مذہبی اجازت کس طرح قرار دیتے ہو؟ مگر یورپ والوں کی یہی حالت ہے۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ مذہب کی کسی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں انہیں قومی لحاظ سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ تو جھٹ اس تعلیم میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔ اور ایک نیا فلسفہ ایجاد کر کے اس کا نام مذہب رکھ دیتے ہیں۔ گویا مذہب سے اتنی دُوری پیدا ہو گئی ہے۔ کہ وہ مذہب قومیت کو سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو چیز نیشنلزم کو تقویت دے وہی خدا کا منشاء ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ اخلاق ہاتھ سے جاتے رہے ہیں اور مذہب بھی ضائع ہو گیا ہے۔ اور نیشنلزم پر مذہب کی بُنیاد رکھ کر حقیقی قربانی کی رُوح کو برباد کر دیا گیا ہے اب ایک جرمن اس لئے قربانی نہیں کرے گا کہ بنی نوع انسان کو اس سے کیا فایدہ ہوتا ہے بلکہ اس لئے قربانی کرے گا کہ جرمن قوم کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ یا ایک انگریز اس لئے قربانی نہیں کرے گا کہ دُنیا کو اسکی قربانی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اسی وقت قربانی کرے گا۔ جب اس کی قوم کا مفاد اس کا تقاضا کرے گا +

ساتویں دَور کا انقلاب
اِحیائے تعلیم مصطفوی

غرض مادیت اور نیشنلزم اور تمام مذہبی اور اخلاقی مسائل کو نیشنلزم کے تابع کرنے کی رُوح نے دُنیا کے امن کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو موجودہ زمانہ میں جو تہذیب الٰہی کا

ہوں اسکی کیفیت آپ اس چیز سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پیالہ پیش کیا۔ جس میں املی کا ریشہ اور تھوڑا سا پانی پڑا ہُوا تھا۔ بادشاہ دیکھ کر سخت متعجب ہُوا۔ اور اس نے کہا کہ ہیں ہندوستانی ایسی لغو شے کی اس قدر تعریف کرتے ہیں ؟

یہی حال آجکل مسلمانوں کا ہے۔ وہ قرآن کریم کے علوم سے بکلی بے بہرہ ہوگئے ہیں اور قرآن کریم ان کے لئے ایک مردہ کتاب بن گیا ہے۔ اور اب جو کچھ ان کے سامنے ہے۔ اس کو اور قرآن کریم کو آپس میں وہی نسبت حاصل ہے جو اعلیٰ و لذیذ آم کو پانی میں بھگوئی ہوئی املی سے ہوتی ہے۔ حالانکہ تمام حُسن اسلام میں ہے۔ تمام خوبیاں اسلام میں ہیں۔ اور یورپ نے اصول علم میں جو کچھ سیکھا ہے اسلام اور مسلمانوں کی خوشہ چینی کر کے سیکھا ہے۔ مگر مسلمانوں کو چونکہ اس کا علم نہیں اسلئے وہ مغربیت کے دلدادہ ہوگئے ہیں +

مغربیت کے اُصول

غرض اس زمانہ میں اسلام کی تعلیم بطور کُل کے کہیں نہیں پائی جاتی صرف ٹکڑے ٹکڑے پائی جاتی ہے۔ اور اصل اسلامی تعلیم کو درحقیقت مسلمان بھلا بیٹھے ہیں۔ اور مغربیت اُن پر غالب ہے۔ جس کے بڑے اصول یہ ہیں :-

(۱) مادیت (۲) اس کا لازمی نتیجہ نیشنلزم۔ (۳) اور تمام مذہبی اور اخلاقی مسائل کو نیشنلزم کے تابع کرنا +

ان امور نے اخلاق۔ مذہب اور حقیقی قربانی اور دُنیا کے امن کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ اور مذاہب کی شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ اب اگر یورپ کے لوگ کسی چیز کا نام مذہب رکھتے ہیں۔ تو اس نقطۂ نگاہ سے کہ وہ مذہب انکی حکومت کو کتنا مضبوط کرتا ہے۔ ایک ہندوستانی دماغ اس بات کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ مگر واقعہ یہی ہوتا ہے کہ جرمن میں بغاوت ہوتی ہے۔ اور پادری جب دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی تعلیم انہیں اتنا مضبوط نہیں بناتی کہ وہ بغاوت کو کچل سکیں۔ تو بڑے آرام سے انہیں مذہبی کتابیں

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی یہی آیت الہاماً نازل ہوئی ہے تا یہ بتایا جائے کہ وہ زمانہ جس میں اس کا ذکر تھا آپہنچا ہے۔ پرانے مفسرین بھی اسی امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت آخری زمانہ کے متعلق ہے۔ اور کہ یہ کام مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہونے والا ہے +

غرض ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ بعثتِ اُولیٰ میں تو قیام دین کا کام مقدر تھا۔ اور بعثتِ ثانیہ میں باقی مذاہب پر اسلام کو غالب کر دینے کا کام مقدر ہے یعنی (۱) دلائل و براہین سے اُنکے متبعوں کو اسلام میں داخل کرنا۔ اور (۲) انکی تہذیب و تمدن کو مٹا کر اسلامی تمدن اور تہذیب کو اسکی جگہ قائم کر دینا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم نے مسیح موعودؑ کو محض اسی مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ تمام دینوں پر وہ اسلام کو غالب کر دے +

غلبۂ اسلام کے ذرائع

اب دیکھنا چاہیئے کہ تمام ادیان پر اسلام کا کلی غلبہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر خالی تعلیم لی جائے۔ اور یہ خیال کیا جائے کہ ہر مذہب کے چند آدمیوں کو ہم اپنے اندر شامل کر لینگے تو یہ اُنکے ادیان پر غلبہ نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ ادیانِ باطلہ بہر حال موجود رہیں گے۔ اور وہ اسلام سے الگ ہونگے۔ اسلام کا انپر کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔ پس لازماً ماننا پڑتا ہے کہ غلبہ کے یہ معنے نہیں۔ بلکہ غلبہ کے معنے یہ ہیں کہ جس طرح آج باوجود مذاہب کے اختلاف کے مغربی تہذیب دُنیا پر غالب آئی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہمارا کام ہے کہ ہم اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کو اس قدر رائج کریں کہ لوگ خواہ عیسائی ہوں مگر انکی تہذیب اور اُن کا تمدن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ یہودی ہوں مگر انکی تہذیب اور اُن کا تمدن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ مذہباً ہندو ہوں۔ مگر ان کی تہذیب اور اُن کا تمدن اسلامی ہو۔ یہ چیز ہے جس کے پیدا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ

ساتواں دَور ہے۔ بھیجا ہے۔ اور آپ کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے۔ کہ آپ وہ دوسری قسم کا انقلاب پیدا کریں۔ جسے آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا کے آخری حصہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی کبھی انقلاب اس طرح بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ کتاب وہی واجب العمل رہتی ہے جو پہلے سے موجود ہو۔ مگر خدا تعالےٰ دوبارہ اسکی مُردہ تعلیم کو زندہ کرنے کے لئے ایک انسان اپنی طرف سے کھڑا کر دیتا ہے جو لوگوں کو پھر اُسی تعلیم پر از سرِ نو قائم کرتا ہے۔ اور جسکی طرف سورۂ جمعہ میں بھی ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ :-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۗ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (سورہ جمعہ ع)

یعنی وہ خدا ہی ہے جس نے اُمّیوں میں اپنا رسول بھیجا۔ جو اُن پر آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا۔ ان کا تزکیۂ نفس کرتا۔ اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کُھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ اور وہ خدا ہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دُنیا میں بھیجے گا اور پھر آپ کے ذریعہ سے ایک ایسی جماعت پیدا کرے گا جو صحابہ کے رنگ میں کتاب جاننے والی۔ پاکیزہ نفس اور علم و حکمت سے واقف ہوگی۔ گویا وہی کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ نئے سرے سے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کرنا ہے۔

بعثتِ ثانیہ کے کام

سورۂ صَفّ میں بھی اِس ساتویں دَور کا کام بتایا گیا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (سورہ صف ع)

یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کے لائے ہوئے کلام کو ساری دُنیا میں پھیلا دے گا۔ اور سب دوسرے ادیان پر غالب کر دے گا۔

توجہ دلائی ہے کہ لوگوں کو زمانہ کے فیشن کا خیال ہے۔ لیکن وہ فیشن جو حقیقی حیات پیدا کرتا ہے۔ اس سے دُور جا پڑے ہیں۔ اس لئے وہ پِیس دیئے جائیںگے۔ اور دُعا سکھائی گئی ہے کہ کہو۔ اے خدا! تُو اِن لوگوں کو مٹا دے۔ اور نوحؑ کے زمانہ کی طرح اُن پر تباہی لا۔ تا مغربی تمدّن اور مغربی تہذیب کی جگہ دُنیا میں اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب قائم ہو +

(۵) پانچواں الہام ہے۔ مَآ اَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَ سَیَظْهَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَهَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ۔ (تذکرہ صفحہ ۶۷۴) کہ اے مسیح موعودؑ! تو لوگوں سے کہدے کہ میں تو قرآن کی طرح ہوں۔ جس طرح قرآن نے پہلے زمانہ میں تبدیلی کی ہے ویسی ہی تبدیلی میرے زمانہ میں بھی ہوگی +

(۶) چھٹا الہام ہے۔ "آسمانی بادشاہت" (تذکرہ صفحہ ۶۲۲) یعنی خدا کی بادشاہت کو دُنیا میں قائم کیا جائے گا +

اِن آیات و الہامات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض یہ ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب کے دَور کو مٹا کر اسلام کے عقائد۔ اسکی شریعت۔ اس کے تمدّن۔ اسکی تہذیب۔ اس کے علوم۔ اسکے اقتصاد اسکی سیاست۔ اسکی معاشرت۔ اور اس کے اخلاق کو قائم کیا جائے۔ اس تبدیلی کا کچھ حصّہ شخصی ہے۔ جیسے نمازیں پڑھنا۔ یا روزے رکھنا۔ اور کچھ قومی شخصی حصّہ تو وعظ اور شخصی کوشش کو چاہتا ہے۔ یعنی لوگوں کو کہا جائے۔ کہ وہ نمازیں پڑھیں۔ وہ روزے رکھیں۔ وہ حج کریں۔ وہ صدقہ و خیرات دیں۔ اور پھر جو لوگ اس وعظ و نصیحت سے متاثر ہوں۔ وہ اپنے اپنے طور پر نیکی کے کاموں میں مشغول ہو جائیں۔ لیکن قومی حصّہ ایک زبردست نظام چاہتا ہے۔ مثلاً اگر ہم خود نمازیں پڑھنے والے ہوں۔ تو یہ ضروری نہیں کہ باقی بھی نمازیں پڑھنے والے ہوں۔ اگر اَور کوئی بھی شخص نماز نہیں پڑھتا تو ہماری اپنی نماز ہی ہمارے لئے کافی

نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔ کہ تہذیب اسلامی کو اتنا رائج کیا جائے اتنا رائج کیا جائے کہ اگر کچھ حصہ دُنیا کا اسلام سے باہر بھی رہ جائے۔ پھر بھی اسلامی تہذیب ان کے گھروں میں داخل ہو جائے۔ اور وہ وہی تمدن قبول کریں جو اسلامی تمدن ہو۔ گویا جس طرح آجکل لوگ کہتے ہیں کہ مغربی تمدن بہتر ہے۔ اسی طرح دُنیا میں ایک ایسی رَو چل پڑے کہ ہر شخص یہ کہنے لگ جائے کہ اسلامی تمدن ہی سب سے بہتر ہے۔

انقلاب حقیقی کے متعلق حضرت مسیح موعود کے الہامات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو اگر دیکھا جائے تو ان میں اس دعوٰی کا وجود پایا جاتا ہے چنانچہ (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کشف ہے جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔

"ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔" (تذکرہ ص۱۹۶)

چشمۂ مسیحی میں آپ اس کشف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کشف کا مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائینگے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔"

(چشمہ مسیحی ص۳۵ حاشیہ)

(۲) پھر الہام ہے یُحْیِ الدِّیْنَ وَ یُقِیْمُ الشَّرِیْعَۃَ۔ (تذکرہ ص۶۹) کہ مسیح موعود دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔

(۳) اسی طرح الہام ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ (تذکرہ ص۵۷) کہ یاد رکھو اسلامی لحاظ سے دُنیا مرگئی۔ اور اب اس نے مسیح موعود کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اسے دوبارہ زندہ کرے۔

(۴) چوتھا الہام مخالفین کی نسبت ہے کہ "زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں۔ فَسَحِّقْھُمْ تَسْحِیْقًا" (تذکرہ ص۶۷۲) اس الہام میں اس امر کی طرف

یہاں تک کہ تین آیتوں کے نسخ کے قائل تو وہ بھی تھے جو نسخ کے جواز کو خطرناک خیال کرتے تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ سب لغو اور بیہودہ باتیں ہیں۔ سارا قرآن ہی قابلِ عمل ہے۔ اور پھر جن آیتوں پر اعتراض کیے جاتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ یہ منسوخ ہیں۔ ان کے آپ نے ایسے عجیب و غریب معارف بیان فرمائے کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اصل آیتیں قرآن کی تو یہی ہی ہیں۔ اور ایک ایسا مخفی خزانہ ان میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نکال کر باہر رکھ دیا کہ دُنیا حیران ہو گئی کہ اب تک یہ امور ہماری نظروں سے کیوں پوشیدہ تھے لیکن اس وقت جب آپ نے یہ باتیں کہیں آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ آپکو بُرا بھلا کہا گیا۔ اور آپ کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلایا گیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا لطیف نکتہ تھا۔ کہ اگر دُنیا کی کسی عقلمند قوم کے سامنے اسے پیش کیا جاتا۔ تو اسپر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ مگر آج جاؤ اور دیکھو کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ تمہیں نظر آئے گا۔ کہ سَو میں سے ننانوے مولوی کہہ رہا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ اور وہ انہی آیتوں کو جن کو پہلے منسوخ کہا کرتے تھے۔ قابلِ عمل قرار دیتے اور ان کے وہی معنی کرتے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئے ✦

غلبۂ احمدیت اور عمل کا میدان

غرض عقائد کے بارہ میں تو ہم نے مخالفین کو ہر میدان میں شکست دی ہے۔ لیکن جہاں عقائد کے میدان میں ہم نے مخالفوں پر عظیم الشان فتح حاصل کی ہے وہاں عمل کے میدان میں ہمیں یہ بات نظر نہیں آتی۔ اور ہم کم سے کم دُنیا کے سامنے یہ امر دعویٰ سے پیش نہیں کر سکتے کہ اس میدان میں بھی ہم نے اپنے مخالفوں کو شکست دیدی ہے۔ اور بجائے کسی اور نظام کے اسلامی نظام قائم کر دیا ہے ✦

کامل تنظیم اور عملی تکمیل

اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے عملی تکمیل بغیر ایسی کامل تنظیم کے نہیں ہو سکتی جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

ہوگی۔لیکن بعض احکام ایسے ہیں جو ایک نظام چاہتے ہیں۔ اور ہم انہیں اسوقت تک بجا نہیں لاسکتے جب تک دوسرے بھی وہی کام نہ کریں۔ جیسے نماز ہے۔ یہ اکیلے تو ہم پڑھ سکتے ہیں۔لیکن باجماعت نماز اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے جبتک دوسرا شخص ہمارے ساتھ نہ ہو۔ پس نماز باجماعت ایک نظام چاہتی ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ ایک امام ہو اور اس کے پیچھے ایک یا ایک سے زائد مقتدی ہوں۔ بیٹیوں اور احکام ایسے ہیں جو ایک زبردست نظام چاہتے ہیں۔ایسا نظام کہ جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہ ہو +

عقائد کے میدان میں جماعتِ احمدیہ کی فتح

اس وقت ہماری جماعت جیسا کہ ظاہر و ثابت ہے عقائد کے میدان میں عظیم الشان فتح حاصل کرچکی ہے اور ہماری اس فتح کا دشمن کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب کہا۔کہ مسیح ناصریؑ فوت ہوچکے ہیں تو تمام غیراحمدی یک زباں ہوکر پکار اُٹھے کہ یہ کفر ہے۔ یہ کفر ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگائے اور یہ کہا کہ آپ مسیح کی ہتک کرتے ہیں۔ مگر آج چلے جاؤ دُنیا میں تعلیم یافتہ لوگوں میں سے بہت سے ایسے نظر آئینگے۔ جو انہیں اب مُردہ ہی یقین کرتے ہیں۔ اور اکثر ایسے نظر آئیں گے جو گو مُنہ سے اقرار نہ کریں مگر یہ ضرور کہیں گے کہ مسیح زندہ ہو یا مرگیا ہو۔ہمیں اس سے کیا تعلق ہے؟ یہ کونسی ایسی اہم بات ہے کہ ہم اسکے پیچھے پڑیں ؟ یہ تبدیلی بتاتی ہے کہ دشمن بھی تسلیم کرتا ہے۔کہ اب اس حربہ سے وہ ہمارے مقابلہ میں نہیں لڑسکتا +

پھر دیکھو۔ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام پر جو کفر کا فتویٰ لگا۔ اس میں کفر کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی گئی تھی کہ آپ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں گذشتہ علماء سے بعض تو گیارہ سو آیتوں کو منسوخ قرار دیتے تھے۔ بعض پانچ سو آیتوں کو منسوخ سمجھتے تھے۔ اور بعض اس سے کم آیتیں منسوخ بتلاتے تھے۔

(۴) چوتھے۔ جن کو واقفیت ہو اور وہ شریعت پر عمل بھی کرنا چاہیں۔ وہ بھی ایک حصۂ احکام پر عمل کر نہیں سکتے۔ جب تک نظام مکمل نہ ہو۔ کیونکہ بعض احکام دو فریق سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایک فریق عمل نہ کرے تو دوسرا بھی نہیں کرسکتا جیسے میں نے بتایا ہے کہ نماز باجماعت اسی وقت پڑھی جا سکتی ہے۔ جب کم سے کم دو آدمی ہوں۔ اگر ایک آدمی ہو۔ اور وہ نماز باجماعت پڑھنے کی خواہش بھی رکھتا ہو۔ تو اس وقت تک جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا جب تک دوسرا آدمی اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو تیار نہ ہو۔ یا مثلاً ایک شخص کو روپیہ قرض لینے کی ضرورت پیش آجائے۔ اور وہ کسی سے مانگے۔ تو اگر وہ دونوں مسلمان ہوں۔ اور دونوں اس امر کے قائل ہوں کہ سود لینا اور دینا منع ہے۔ تب وہ سود سے بچے رہینگے لیکن اگر ان میں سے ایک شخص اس کا قائل نہیں۔ تو وہ مثلاً سو یا دو سو روپیہ قرض دے کر کہدے کہ اسپر چار آنہ سینکڑہ سود لگے گا۔ تو روپیہ لے کر یہ مجبور ہو جائے گا۔ کہ سود ادا کرے۔ یا مثلاً ورثہ کے احکام ہیں۔ اگر پنجاب کا ایک باپ کہتا ہے۔ کہ میں اپنی جائداد اپنی اولاد میں شریعت کے مطابق تقسیم کرونگا۔ اسپر جھٹ بیٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں یہ تقسیم نہیں ہونے دوں گا۔ یا بیوی اسکی مخالف ہو جاتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں یہ تقسیم نہیں ہونے دونگی جس طرح عام رواج ہے۔ اسی طرح تقسیم کرو۔ تو باوجود خواہش کے وہ اس حکم پر عمل نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ قانون اس کے مخالفوں کے حق میں ہے +

اسی طرح کئی سیاسی احکام ہیں جو ایک کامل نظام کے مقتضی ہیں۔ اور اگر نظام نہ ہو تو ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شریعت نے کہا ہے کہ بھاؤ مقرر کئے جائیں۔ اور اس اس رنگ میں مقرر کئے جائیں۔ اب اگر کوئی نظام نہ ہو۔ تو اکیلا انسان کہاں بھاؤ مقرر کرا سکتا ہے۔ پس جب تک نظام نہ ہو جو دونوں فریق کو مجبور کرے۔ صرف ایک فریق باوجود علم اور ارادہ کے اسپر عمل نہیں کرسکتا +

(۵) پھر نئی جماعت کے لئے یہ بھی مشکل ہوتی ہے کہ ابتدائی صحابہؓ بھی اصل

مگر اس وقت تک ہماری جماعت صرف عقائد کی درستی، شخصی جد و جہد اور چندہ جمع کرنے کا کام کرسکی ہے۔ حالانکہ شخصی جد و جہد کبھی نظام کامل کے قیام میں کامیاب نہیں ہوسکتی کیونکہ:-

(۱) اکثر لوگ شریعت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے۔ اس لئے انکی جد و جہد ناقص ہوتی ہے۔ اور وہ شریعت کو دُنیا میں قائم نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کئی مسئلے انہیں معلوم ہی نہیں ہوتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سَو میں سے دس مسائل تو وہ قائم کرتے ہیں مگر نوّے چھوڑ جاتے ہیں +

(۲) دوسرے جو لوگ واقف ہوتے ہیں اُن میں سے ایک حصّہ سُست بھی ہوتا ہے۔ اور ایک حد تک تحریک اور تحریص اور خارجی دباؤ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور قوم کو انہیں نوٹس دینا پڑتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ ملنا چاہتے ہو تو عملی رنگ میں کام کرو۔ نہیں تو ہم سے الگ ہو جاؤ +

(۳) تیسرے جو لوگ ناواقفی سے یا سُستی سے شریعت کے خلاف چلیں۔ ان کا بہت بُرا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ اور وہ ان کو دیکھ کر بعض دفعہ اسی کو اپنا دین سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کامیاب تاجر ہو اور اس نے دین کے کسی مسئلہ پر عمل کرنے میں سُستی کی ہو تو لوگ اسکی مثال دیکر کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر بھلا یہ دین میں سُستی کرسکتا ہے؟ اور اس طرح اس کے غلط عمل کو دین سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ بالکل ممکن ہے۔ ایک شخص بڑا تاجر ہو یا بڑا دولتمند ہو۔ لیکن دین کے معاملہ میں وہ بالکل جاہل ہو۔ اور ایک فقیر اور کنگال شخص زیادہ دیندار اور زیادہ مسائل شرعیہ سے واقف ہو۔ پس ایسے لوگوں کا دوسروں پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور بعض دفعہ وہ انہی کی غلط باتوں کو دین سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اور یا پھر بعض دفعہ یہ اثر قبول کرتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں حکم نہیں مانتا تو ہم کیوں مانیں؟ اور بعض بظاہر بڑے آدمیوں کی نقل اُن کے اتباع کی دینی حالت کو بھی خراب کر دیتی ہے +

اور۔اُدھر دوسرے لوگوں کی زمین اَور ہے ؟ یا وہ کچھ بھی نہیں سمجھے گا اور وہ کہے گا کہ غیر احمدیوں میں سے بھی کچھ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے اسی طرح احمدیوں میں سے بھی کچھ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے۔ اُن میں بھی بعض کمزور اور بد اعمال ہیں۔ اور اِن میں بھی بعض کمزور اور بد اعمال ہیں۔ اور اگر وہ یہی نتیجہ نکالے۔ تو بتلاؤ وہ کب اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا آسمان نیا ہے۔ اور جماعت احمدیہ کی زمین نئی ہے ؟

پس سوچو اور غور کرو۔ کہ ہم نے اس وقت تک کیا کیا ہے ؟ ہم نے کچھ مسئلے سمجھ لئے ہیں۔ کچھ چندے دے دیتے ہیں۔ اور کچھ ذاتی اصلاح کر لیتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ غیر احمدیوں میں اور ہم میں اگر کوئی فرق نکل سکتا ہے تو یہ کہ غیر احمدیوں میں زیادہ لوگ جھوٹ بولنے والے ہوتے ہیں۔ مگر ہم میں کم لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تارکِ نماز ہوتے ہیں۔ اور ہم میں سے اکثر نمازیں پڑھنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک حصّہ ہم میں بھی تارک الصّلوٰۃ لوگوں کا ہوتا ہے۔ پھر وہ تبلیغ نہیں کرتے اور ہم میں سے اکثر تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ قرآن بہت کم جانتے ہیں اور ہماری جماعت کے لوگ نسبتاً زیادہ قرآن جانتے ہیں۔ لیکن شکل وہی ہے۔ طرز وہی ہے۔ چیز وہی ہے۔ پس آسمان کس طرح بدل گیا اور زمین کس طرح بدل گئی ؟ بلکہ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم پُرانے نظام سے نفرت بھی پیدا نہیں کر سکے۔ ابھی تک ہمارے بعض نوجوان مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ وہ مغربی فیشن کی نقلیں میں اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اور بجائے اسکے کہ ہم دشمن کو مٹا دیتے۔ اسکی تہذیب کو پارہ پارہ کر دیتے۔ اور اس کے تمدّن کی بجائے اسلامی تمدّن قائم کر دیتے۔ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کہ ہمارے فلاں آدمی کو جو دشمن چھین کر لے گیا ہے۔ اسے ہم واپس لائیں۔ لیکن ہم جونہی اسے واپس لاتے ہیں دشمن ہمارے دس آدمی اَور چھین کر لے جاتا ہے۔ اور ہماری تمام کوشش اور ہماری

تعلیم کو جاری کر سکتے ہیں۔ مگر اُن کے زمانہ میں عمل نہ ہو تو پھر کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اور لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ جب صحابہؓ نے جو اتنے بڑے بزرگ تھے یہ نظام جاری نہیں کیا تو ہم کیوں کریں ؟

(۶) چھٹی بات یہ ہے کہ جب تک اپنا نظام قائم نہ کیا جائے پُرانا نظام مٹ ہی نہیں سکتا۔ آخر جب تک ہم اپنے نظام کا کوئی اعلیٰ نمونہ نہ دکھائیں پُرانی چیز کو لوگ کیوں چھوڑیں ؟ وہ جب تک ہم اپنے نظام کا بہتر نمونہ انکے سامنے پیش نہ کریں۔ اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ پُرانے نظام کو ہی اختیار کئے رہیں ؟ پھر اس کے علاوہ ایک خطرناک بات یہ ہے کہ خود اپنے آدمی اس کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے بغیر نظام کے وہ مقصود پُورا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ انقلاب جو مطلوب ہے کبھی رونما ہی نہیں ہو سکتا +

انقلاب حقیقی کے قیام میں ہمارا کام

پس جبکہ انقلاب پیدا کرنے کے لئے یعنی پُرانے نظام کو مٹانے اور نئے نظام کو قائم کرنے کے لئے اور اس حد تک قائم کرنے کے لئے کہ نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں تو سوال یہ ہے۔ کہ ہم نے اس بارہ میں کیا کام کیا ہے ؟ تم جانے دو معترضین کے سوالات کو۔ آؤ ہم سب احمدی ملکر یہ بات سوچیں۔ کہ کیا واقعہ میں اگر بیرونی دُنیا سے کوئی شخص ہندوستان میں آجائے۔ اور اسے احمدی اور غیر احمدی کا کوئی فرق معلوم نہ ہو۔ اور فرض کرو کہ وہ بہرہ بھی ہے۔ اور لوگوں سے سُن کر بھی معلوم نہ کر سکتا ہو کہ فلاں احمدی ہیں اور فلاں غیر احمدی۔ اور فرض کرو کہ وہ گونگا بھی ہو۔ اور خود بھی دریافت نہ کر سکتا ہو لیکن اسکی آنکھیں ہوں جن سے وہ دیکھے اور اس کا دماغ ہو جس سے وہ سمجھے تو کیا وہ ہم کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ان لوگوں کا آسمان اور ان لوگوں کی زمین اور ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا آسمان

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (فتح ع ۴) کہ مسیح موعود کے زمانہ میں انقلاب کے چار دور ہونگے۔ اوّل اَخْرَجَ شَطْأَهٗ ۔ یعنی اصول بیان کئے جائینگے۔ اور اس وقت ایسی ہی حالت ہوگی۔ جیسے بیج زمین میں سے اپنا سر نکالتا ہے اور وہ حالت نہیں ہوگی جو اسلام کے پہلے دور میں تھی۔ اور جیسے اللہ تعالےٰ نے یُوں بیان فرمایا ہے کہ اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ (النحل ع۱) یا اَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ (النحل ع ۴)۔ بلکہ وہاں ترتیب ہوگی اور تدریجی ترقی ہوگی۔ پہلے ایمان کا ایک بیج ہوگا۔ جو قلوب کی زمین میں بویا جائے گا پھر وہ بیج آہستہ آہستہ اُگنا شروع ہوگا اور اُس کی بیج کی شکل نہیں رہے گی۔ بلکہ روئیدگی کی شکل ہو جائے گی۔ اسکے بعد ترقی کا دوسرا دور آئے گا۔ جسے خدا تعالےٰ نے اٰزَرَهٗ کے لفظ میں بیان فرمایا ہے کہ اس وقت وہ پودا مضبوط ہو جائے گا۔ اور اجرائے شریعت عملی طور پر کر دیا جائے گا۔ پھر تیسرا دور اسوقت آئیگا جب اِسْتَغْلَظَ کی پیشگوئی پوری ہوگی۔ یعنی وہ کمزور پودا موٹا ہو جائے گا۔ اور وہی تحریک جو پہلے معمولی نظر آتی تھی اور دُنیا کے تھوڑے حصہ پر حاوی تھی تمام دُنیا پر حاوی ہو جائے گی۔ اور لوگ جُوں جُوں احمدی بنتے چلے جائیں گے وہ تعلیم بھی سب عالم میں پھیلتی چلی جائے گی۔ گویا اِسْتَغْلَظَ میں انتشار فی العالم کی پیشگوئی کی گئی ہے اور پھر چوتھا دور اس وقت آئے گا جب فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کا نظارہ نظر آنے لگ جائے گا۔ یعنی اسلامی بادشاہتیں قائم ہو جائینگی اور وہ تمام مسائل جو خالص اسلامی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی عملی رنگ میں جاری ہو جائینگے اور تمام دُنیا کا ایک ہی تمدن ہوگا اور ایک ہی تہذیب۔ یہ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کے الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے اللہ تعالےٰ کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ اُس نے عرش پر استوٰی کیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلامی تمدن جو احمدیت کے ذریعہ سے قائم کیا جائے گا اتنا شاندار اور اتنا اعلیٰ ہوگا کہ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ دوسری قوموں اور

تمام سعی پھر اسی کام میں صرف ہو جاتی ہے کہ انہیں دشمن سے واپس لائیں۔ پس بجائے دشمن کے تمدن کو مٹانے کے اپنے آدمیوں کو پھڑانے میں ہی ہم لگے رہتے ہیں +

پس ضرورت ہے۔ کہ ہم اس نہایت ہی اہم امر کی طرف توجہ کریں۔ اور دُنیا کے تمدن اور دُنیا کی تہذیب کو بدل کر اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب اسکی جگہ قائم کریں +

انقلابِ حقیقی کے قیام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حصہ

ممکن ہے کوئی کہے کہ آپ نے الہامات تو سُنا دیئے اور قرآن کریم کی آیات سے بھی استدلال کر لیا۔ مگر کیا آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے زیادہ الہامات سمجھتے ہیں یا اُن سے زیادہ قرآن جانتے ہیں ؟ اور اگر نہیں تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیوں اسکی ابتداء نہ کی ؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واضح الہاموں میں اسکی ابتداء رکھ دی گئی ہے۔ اور بار بار آپ نے اپنی تحریرات میں اسکی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے۔ کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا۔ کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہونگے۔ اسی طرح کئی الہامات و مکاشفات کے ذریعہ سے آپ نے اپنے اس منصب کو بیان کیا ہے۔ پس جب اسکی ابتدا ہو چکی تو ابتداء کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ فوراً تکمیل تک پہنچ جائے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم کے ایک حکم کے مطابق جو الہام میں بھی آپ پر نازل ہوا۔ آپ نے اس کام کو ترتیب کے ساتھ کرنا شروع کیا تھا۔ مگر آپکی وفات کے بعد وہ رشتہ ترتیب کا ہمارے ہاتھ سے کھویا گیا۔ یا شائد اللہ تعالیٰ کا منشاء خود اس قدر وقفہ دینے کا تھا۔ اور وہ حکم یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

دلوں میں سوچو کہ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ عقائد کے میدان میں تو ہم نے دشمن کو شکست دی مگر عمل کے میدان میں ہم ابھی اُسے شکست نہیں دے سکے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنے دلوں میں اس بات پر غور کیا ہوگا مگر میرے دل کی نیت اسوقت یہی تھی کہ میں تحریک جدید کے دوسرے دَور کی بعض باتوں کو جلسہ سالانہ پر بیان کرونگا۔ جب جماعت کا ایک حصہ میرے سامنے موجود ہوگا اور مَیں اُس سے دریافت کروں گا کہ آیا وہ ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں ؟

سو آج میں اس کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً۔ اَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَدْنَاھَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ۔ کہ اے مسلمانو تم بعض دفعہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر کہدیتے ہو کہ الحمد للہ ہم مومن ہیں۔ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں مگر فرمایا یہ غلط بالکل غلط اور قطعاً غلط ہے۔ اوّل تو صرف لفظاً لا الٰہ الا اللہ کہنا کوئی چیز نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو یاد رکھو کہ الا یمان بضع و سبعون شعبۃ۔ ایمان کے ستّر سے زیادہ حصے ہیں جن پر عمل کرنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ یہاں بضع و سبعون سے مراد کثرت ہے اور یہ عربی کا محاورہ ہے اُردو میں بھی جب کسی کو یہ کہنا ہو کہ مَیں نے تجھے بارہا یہ بات کہی ہے۔ تو کہتے ہیں مَیں نے تجھے سَو دفعہ یہ کہا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ سو دفعہ کہا ہے بلکہ مطلب کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان کے ستّر سے بھی زیادہ محکمے اور ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ یعنی بہت سے اس کے شعبے ہیں۔ افضلھا قول لا الٰہ الا اللہ۔ ان سب میں افضل بات لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔ مگر اس کے بعد اَور پھر اَور پھر اَور اور پھر اَور شعبہ ہائے ایمان چلتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ادنیٰ بات شعبہ لمٔے ایمان میں یہ بھی داخل ہے کہ اماطۃ الاذٰی عن الطریق رستے میں کانٹے پڑے

تمدنوں کی آنکھیں کھول دے گا۔ اور وہ حیران ہو ہو کر احمدیت کی کھیتی کو دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ کھیتی تو بڑی اچھی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (الحجر ع ۱) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیم کو عملی رنگ میں جب دُنیا میں قائم کر دیا۔ تو کئی دفعہ ایسا ہؤا کہ کفّار نے بھی اپنی مجالس میں کہا کہ ہے تو یہ جھوٹا۔ مگر اس کی تعلیم بڑی اعلیٰ ہے۔ اور ان کے دلوں میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ اسی طرح فرماتا ہے جب احمدیت کے ذریعہ سے اسلامی تمدن تمام دُنیا میں قائم کر دیا گیا اور اسلامی حکومتیں اقطار عالم پر چھاگئیں تو یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ دوسرے مذہبوں والے کہینگے کہ اب اس کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ مگر جو عنید اور شدید دشمن ہونگے۔ وہ تو اس انقلاب کو دیکھ کر مرہی جائینگے۔ اور کہینگے کہ اب ہم سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ پہلے جن لوگوں کا ذکر تھا۔ وہ ایسے ہیں جنکی فطرت صحیحہ زندہ ہوگی۔ وہ اس نظام کی برتری اور فوقیت کا اقرار کرینگے اور کہیں گے کہ کاش ہمیں بھی ایسے نظام میں شامل ہونے کا موقعہ ملتا۔ مگر جو شدید دشمن ہونگے وہ ہاتھ کاٹنے لگیں گے اور کہیں گے کہ اب اب ہماری فتح کی کوئی صورت نہیں۔ پس مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں پہلا دَور تھا۔ کہ پنیری نکل رہی تھی۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ دوسرا دَور شروع ہو۔ تاکہ اُن لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے نورِ نبوت سے براہِ راست حصّہ لیا ہے یہ کام مکمل ہو جائے۔ اگر یہ کام آج نہ ہؤا تو پھر کبھی بھی نہیں ہوسکے گا۔

تحریک جدید کا مقصد

مَیں نے تحریکِ جدید کے پہلے دَور میں اس کی طرف قدم اُٹھایا تھا۔ اور دوسرے دَور کی بعض باتوں کو میں التواء میں ڈالتا گیا تھا۔ اور مَیں نے کہا تھا کہ تم اپنے

کوئی پتھر وغیرہ ہے تو اسے راستہ سے اٹھا کر الگ پھینک دو۔ کوئی کنکر ہو تو اسے ہٹا دو۔ پس یہ مت سمجھو کہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا حضرت مسیح موعود کو مان لیا نماز پڑھ لی روزہ رکھ لیا تم مومن ہو جاتے ہو اور تم کو ایمان مل جاتا ہے۔ ایمان نام ہے اسلام کے اعتقادات۔ مسائل عبادات تمدن۔ اقتصاد۔ قضاء۔ سیاست۔ اخلاق اور معاشرت کو اپنے نفس اور دُنیا میں جاری کرنیکا۔ جس کا اعلیٰ حصہ لا الٰہ اِلّا اللّٰہ ہے۔ اور ادنیٰ حصہ راستہ پر سے کانٹے ہٹانے کا ہے۔ جس نے اس کے لئے کوشش نہ کی۔ نہ وہ مومن ہُوا۔ اور نہ اُس نے اسلام کے دین کو قائم کرنے کے لئے کوشش کی +

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ الامام جُنّةٌ یقاتل من ورائه کہ امام ڈھال کے طور پر ہوتا ہے۔ اور تمہیں اس کے پیچھے ہوکر دشمن سے لڑائی کرنی چاہیئے۔ پس جب تک مَیں نے اعلان نہیں کیا تھا۔ لوگ بڑی حد تک آزاد سمجھے جا سکتے تھے۔ لیکن اب وہی شخص جماعت کا فرد کہلا سکتا ہے کہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق کہ الامام جُنّةٌ یقاتل من ورائه امام کے پیچھے ہوکر اسلام کے لئے جنگ کرنیکے واسطے تیار ہو جائے +

جماعت احمدیہ کی ذمہ داری

پس میں اعلان کرتا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہماری جماعت اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اِحیاءِ سُنّت وشریعت کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔ جب تک مَیں نے اعلان نہ کیا تھا۔ لوگوں کے لئے کوئی گناہ نہیں تھا۔ مگر اب جبکہ امام اعلان کرتا ہے۔ کہ اِحیاءِ سُنّت و شریعت کا وقت آگیا ہے کسی کو پیچھے رہنا جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر اب سُستی ہوئی تو کبھی بھی کچھ نہ ہوگا۔ آج گو صحابہ کی تعداد ہم میں قلیل رہ گئی ہے مگر پھر بھی یہ کام صحابہ کی زندگی میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور اگر صحابہ نہ رہے تو پھر یاد رکھو یہ کام کبھی نہیں ہوگا +

ہوں تو نہیں تنگ کر دیا جائے۔ کنکر پتھر ہوں تو نہیں ہٹا دیا جائے۔ اسی طرح جو بھی تکلیف دینے والی چیز ہو اُسے دُور کر دیا جائے۔ گویا جس کو لوگ ایمان کہتے ہیں اور جس پر خوشی سے پھُولے نہیں سماتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کسی ایک چیز کا نام نہیں بلکہ سینکڑوں اعمال ہیں جن کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ اور جب تک ان اعمال کی چاروں دیواریں مکمل نہ کی جائیں ایمان کی عمارت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اُن اعمال میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی عمل یہ ہے کہ اماطَۃُ الْاَذٰی عن الطریق۔ یعنی راستہ کو صاف کیا جائے۔ اور گندی اور تکلیف دہ اشیاء کو ہٹا دیا جائے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ کہ اسلام کسی ایک چیز کا نام نہیں۔ بلکہ توحید پر ایمان لانا۔ قضاء و قدر پر ایمان لانا۔ انبیاء پر ایمان لانا۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ جنت پر ایمان لانا۔ دوزخ پر ایمان لانا۔ قبولیتِ دُعا پر ایمان لانا۔ تمام صفاتِ الٰہیہ پر ایمان لانا۔ پھر نمازیں پڑھنا۔ روزے رکھنا۔ حج کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ صدقہ و خیرات دینا۔ تعلیم حاصل کرنا اور تعلیم دینا۔ والدین کی خدمت کرنا۔ بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے جسمانی خدمات بجالانا۔ غیرت دکھانا۔ شکر کرنا۔ حسن ظنی سے کام لینا۔ بہادر بننا۔ بلند ہمت ہونا۔ صبر کرنا۔ رحم دل ہونا۔ وقار کا خیال رکھنا۔ جفاکش ہونا۔ سادہ زندگی بسر کرنا۔ میانہ روی اختیار کرنا۔ عدل کرنا۔ احسان کرنا۔ سخی بننا۔ وفاداری دکھلانا۔ ایثار اور قربانی کی رُوح پیدا کرنا۔ معاف کرنا۔ دوسروں کا ادب کرنا۔ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ حکام کی اطاعت کرنا۔ تربیت کرنا۔ دشمنانِ قوم سے اجتناب کرنا۔ محبت الٰہی پیدا کرنا۔ توکل کرنا۔ تبلیغ کرنا۔ جھوٹ نہ بولنا۔ چغلخوری نہ کرنا۔ گالیاں نہ دینا۔ دھوکہ بازی نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا۔ ظلم نہ کرنا۔ فساد نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ بہتان نہ لگانا۔ تحقیر نہ کرنا۔ استہزاء نہ کرنا۔ بیکار نہ بننا۔ سُستی نہ کرنا۔ محنت اور عقل سے کام کرنا۔ یہ اور اسی قسم کی ہزاروں باتیں ایمان کا حصہ ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹے سے چھوٹا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ راہ چلتے ہوئے اگر

کے دس حصے ہیں۔ایک حصہ عبادت کا تو نماز۔ روزہ۔حج اور زکوٰۃ ہے۔ مگر عبادت کے نو حصے رزق حلال کھانا ہے۔گویا اگر تم نمازیں بھی پڑھتے ہو۔ روزے بھی رکھتے ہو۔ حج بھی کرتے ہو۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہو۔لیکن اپنی تجارت میں دھوکہ بازی کرتے ہو۔ توتم ایک حصہ دودھ میں نو حصے ناپاکی ملا دیتے ہو۔اور اپنی تمام عبادت کو ضائع کر لیتے ہو۔ یا اگر تم کسی کو ایک پیسہ کی چیز دینے لگتے ہو۔ اور ترکڑی کا پلڑا ذرا سا جھکا دیتے ہو۔توتم اس ذرا سی بے احتیاطی یا ذرا سی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنے حلال مال میں نو حصے گندگی کے ملا دیتے ہو۔ اور اپنی ساری عمر کی عبادتوں کو ضائع کر لیتے ہو۔کیونکہ نماز روزہ کے حکم بجا لاکر صرف دسواں حصہ حق کا ادا ہوتا ہے۔باقی نو حصے اللہ تعالےٰ کے حق کے رزقِ حلال کما کر ادا ہوتے ہیں +

۵۔ چستی اور محنت

چستی اور محنت سے کام کرنے کے متعلق فرماتے ہیں اِعْمَلْ عَمَلَ امْرِئٍ یظن ان لن یموت ابدًا واحذر حذرا مرء یخشیٰ ان یموت غدًا۔ کہ جب تم دُنیا کے کام کرو۔ تو یاد رکھو اسلامی تعلیم اُس وقت یہ ہے کہ ایسی محنت اور ایسی چستی سے کرو گویا تم نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور کبھی مرنا ہی نہیں۔ یہ نہ ہو کہ تم کہو کیا کام کرنا ہے مر تو جانا ہی ہے۔ یا کیوں خواہ مخواہ محنت کریں انجام تو فنا ہی ہے۔ فرماتا ہے۔ دُنیا کے کام اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کرو کہ گویا تمہیں موت کا خیال تک نہیں واحذر حذرا مرء یخشیٰ ان یموت غدًا لیکن دین کے معاملہ میں اس طرح ڈرتے ڈرتے کام کرو گویا تم نے کل ہی مر جانا ہے۔ یہ وہ مقام ہیں جو تمہیں حاصل ہونے چاہئیں یعنے ایک طرف تم میں اتنی چستی اور اتنی پُھرتی ہو کہ گویا تم نے کبھی مرنا ہی نہیں۔ اور دوسری طرف اتنی خشیت ہو کہ گویا تم نے جینا ہی نہیں +

تمدّن کے متعلّق اسلامی تعلیم

۱۔ خُلقِ حسنہ
دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (۱) ان الخلق وعاء الدین کہ خُلق دین کا برتن ہے۔ اب تم خود ہی سمجھ لو کبھی برتن کے بغیر بھی دودھ رہا ہے؟ یہ تو ہوسکتا ہے کہ برتن ہو مگر دودھ نہ ہو۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ دودھ بغیر برتن کے باقی رہے۔ پس اخلاق حسنہ دین کا برتن ہیں۔ اگر کسی کے پاس یہ برتن نہیں اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس ایمان کا دودھ ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں (۲) اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مکارِمَ الاخلاق۔ کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا اخلاقِ فاضلہ کو کامل کرکے قائم کروں +

(۲) معاملات
پھر معاملات کے متعلّق فرماتے ہیں۔ اشرف الایمانِ ان یَأمنك النّاس و اشرف الاسلام ان یَسْلَم الناسُ من لسانك و یدك کہ اعلیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ لوگ تیرے ہاتھ سے امن میں رہیں اور کسی کو تجھ سے دُکھ نہ پُہنچے۔ اور اعلیٰ درجہ کا اسلام یہ ہے کہ لوگ تجھ سے محفوظ رہیں یعنی تو نہ زبان سے ان سے لڑے اور نہ ہاتھ سے انہیں کوئی تکلیف پُہنچائے +

۳۔ خدمتِ قومی
خدمتِ قومی کے متعلق فرماتے ہیں اِنَّ صَبرَ اَحَدِکُم سَاعَۃً فِی بَعْضِ مواطن الاسلام خَیْرٌ لَّهٗ من ان یعبد اللہ اربعین یومًا۔ کہ اگر اسلام کی خدمت میں کوئی شخص تم میں سے ایک گھنٹہ خرچ کرتا ہے جس کا اُسے کوئی ذاتی فائدہ نہیں پُہنچتا۔ تو وہ چالیس دن کی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کرتا ہے +

۴۔ رزقِ حلال
رزقِ حلال کے متعلق فرماتے ہیں العبادۃُ عَشَرَۃ اجزاءٍ تِسْعَۃٌ مِنْهَا فی طلب الحلال۔ کہ خدا تعالےٰ کی عبادت

لَا یَصْلُحُ فِی الْجِدِّ وَلَا الْھَزْلِ وَلَا یَعِدِ الرَّجُلُ صَبِیَّہٗ ثُمَّ لَا یَفِیْ لَہٗ کہ اے لوگو تم جھوٹ سے بچو اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جھوٹ نہ ہنسی میں جائز ہے نہ سنجیدگی میں۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ محض ہنسی کی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ آپؐ اس سے بھی زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ہدایت دیتے اور فرماتے ہیں لَا یَعِدِ الرَّجُلُ صَبِیَّہٗ ثُمَّ لَا یَفِیْ لَہٗ کہ تم اپنے بچوں سے بھی جھوٹا وعدہ نہ کرو۔ تم بعض دفعہ بچے سے جب وہ رو رہا ہو۔ کہتے ہو ہم تجھے ابھی مٹھائی منگا دیں گے پھر جب وہ چپ ہو جاتا ہے تو تم اُسے کوئی مٹھائی منگا کر نہیں دیتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایسا بھی مت کرو کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔ اور جھوٹ بولنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں +

۹۔ کسب پھر کما کر گذارہ کرنا بھی اسلام کا جزو ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ صحابہؓ آئے۔ اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص رات دن عبادت میں لگا ہوُا ہے۔ فرمائیے وہ سب سے اچھا ہوُا یا نہیں؟ انبیاء کا بھی کیسا لطیف جواب ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب وہ رات دن عبادت میں لگا رہتا ہے تو کھاتا کہاں سے ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ لوگ دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر جتنے اُسے کھانے پینے کے لئے دیتے ہیں وہ سب اس سے بہتر ہیں +

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے کہ پاس سے ایک نوجوان گذرا۔ جو نہایت لمبا مضبوط اور قوی الجثہ تھا۔ اور بڑی تیزی سے اپنے کسی کام کے لئے دوڑتا ہوُا جا رہا تھا بعض صحابہؓ نے اسے دیکھ کر تحقیر کے طور پر کوئی ایسا لفظ کہا۔ جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ جا تیرا بُرا ہو۔ اور کہا کہ اگر اسکی جوانی اللہ کے رستہ میں کام آتی

۶۔ بنی نوع انسان کی خیر خواہی

بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے متعلق فرماتے ہیں علیٰ کل مسلم صدقة فان لم یجد فلیعمل بیدہ فینفع الناس کہ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ میں تو غریب ہوں میں کہاں سے چندہ دوں جیسے بعض لوگوں سے جب چندہ مانگا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم سے کیا چندہ لینا ہے ہمیں تو تم چندہ دو۔ کیونکہ ہم غریب ہیں۔ تو فرمایا فلیعمل بیدہٖ ایسے شخص کو چاہیئے کہ وہ قومی کام اپنے ہاتھ سے کرے کیونکہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ہاتھ بھی نہیں ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس روپے نہیں۔ تو فرمایا اچھا اگر روپے نہیں تو اپنے ہاتھ سے کام کرو گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ صرف مالداروں پر ہی فرض نہیں کیا۔ بلکہ غرباء کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ صدقہ دینا ہر انسان کا کام ہے جو مال دے سکتا ہے وہ مال دے اور جو مال نہیں دے سکتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے۔ اسی لئے تحریک جدید میں میں نے بتایا ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرو۔ اور اگر کوئی ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا تو صرف دُعا کرتا رہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہی اس کا کام سمجھا جائے گا۔

۷۔ صفائی

صاف رہنے کے متعلق فرماتے ہیں النظافة من الایمان کہ صفائی رکھنا ایمان کا جزو ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اَخرِجُوا مَنَادِیلَ الغَمَرِ من بیوتکم فانهٗ مبیتُ الخبیثِ ومجلسهٗ کہ وہ دستر خوان جس کو چکنائی لگ گئی ہو اسے اپنے گھروں سے نکال کر باہر پھینک دو کیونکہ وہ خبیث چیز ہے اور گندگی کا مقام ہے یعنی اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں۔ کیڑے آتے ہیں اور بیماریاں ترقی پکڑتی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ آجکل لوگ نیکی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کپڑے کو اس وقت تک نہ دھویا جائے۔ جب تک کہ وہ پھٹ نہ جائے۔

۸۔ صداقت

صداقت کے متعلق فرماتے ہیں ایاکم و الکذب فان الکذب

مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائے اور معاملہ ختم ہو گیا۔ بلکہ ایمان کی تکمیل کے لئے سینکڑوں باتوں کی ضرورت ہے۔ جو تمدن۔ معاشرت۔ اقتصاد اور سیاست وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبتک وہ تمام کڑیاں مضبوط نہ ہوں۔ کوئی شخص حقیقی معنوں میں مومن نہیں کہلا سکتا۔ اور یہ علماء کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے خیالات کو بدلیں۔ اور ان کو بتائیں کہ ان کے سامنے کتنا اہم کام ہے۔ مگر ہمارے علماء کی یہ حالت ہے۔ کہ وہ باہر جاتے ہیں تو صرف وفاتِ مسیحؑ اور ختمِ نبوت پر لیکچر دے کر آجاتے ہیں۔ اور سمجھ لیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے فرض کو ادا کر دیا۔ گویا انکی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو ایک محل بنانے کے لئے نکلے۔ مگر ایک اینٹ گھڑ کر واپس آجائے۔ اور سمجھ لے کہ اس کا کام ختم ہو گیا۔ پس یہ علماء کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا کریں۔ کہ انہیں احیاءِ سنت اور احیاءِ شریعت کے لئے ایک موت قبول کرنی پڑیگی۔ اور اس کے لئے انہیں چاہیئے کہ وہ تیار ہو جائیں +

۲۔ کامل اطاعت دوسرے اس کام کیلئے جماعت کے دلوں میں یہ عزم پیدا کرنا ضروری ہے کہ ہم پوری اطاعت کرینگے۔ خواہ ہمیں کتنا ہی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ کیونکہ یہ چیزیں نظام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اگر ایک بھی اس نظام سے نکل جائے تو تمام کام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہماری شریعت ایک حکم یہ دیتی ہے کہ فلاں فلاں سٹینڈرڈ کی اگر کوئی چیز ہو تو فروخت کی جائے۔ ناقص اور ادنیٰ مال فروخت نہ کیا جائے۔ اب اگر ہم اس حکم کی دوکانداروں سے تعمیل کرائیں اور جو اس حکم کو نہ مانے۔ اُسکے متعلق ہم یہ حکم دے دیں۔ کہ جماعت اس سے سودا نہ خریدے۔ تو ایسی حالت میں اگر بعض لوگ ایسے کھڑے ہو جائیں جو کہیں کہ یہ لوگوں کا رزق مار رہے ہیں۔ تو اسلام کا یہ حکم دُنیا میں کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہم اس طرح ایک ایک کر کے لوگوں کو احکام کی اطاعت سے آزاد کرتے جائیں۔ تو ہماری مثال اُسی شخص کی سی ہو گی جسکی نسبت کہتے ہیں

تو کیسا اچھا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنا تو فرمایا۔ یہ کہنے کا کیا مطلب ہوا کہ تیرا بُرا ہو۔ جو شخص اس لئے تیزی سے کوئی کام کرتا ہے کہ اس سے اپنی بیوی کو فائدہ پہنچائے۔ تو وہ خدا کی ہی راہ میں کام کر رہا ہے اور جو شخص اس لئے دوڑتا اور پھُرتی سے کام کرتا ہے کہ اپنے بچوں کے کھلانے پلانے کا بندوبست کرے۔ تو وہ خدا ہی کی راہ میں کام کر رہا ہے۔ ہاں جو شخص اس لئے دوڑتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں۔ اور اُسکی طاقتوں کی داد دیں۔ تو وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔ مگر حلال روزی کے لئے کوشش کرنا اور کما کر گذارہ کرنا تو سبیل اللہ میں شامل ہے +

۱۰۔ جائداد کی حفاظت کا حکم

اسی طرح اسلام نے جائیداد وں کی حفاظت کے متعلق خاص طور پر احکام دیئے ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی جائیداد بیچ کر کھا جاتا ہے تو وہ کسی کام کا نہیں۔ اور وہ اس قابل ہی نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ اسکو برکت دے +

یہ نَیْنے اسلامی احکام میں سے صرف چند باتیں پیش کی ہیں۔ ورنہ اسلام کے احکام سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اور ان تمام امور کے جاری کرنے کو سیاست کہتے ہیں۔ اور یہ سیاست اسلام کا ضروری جزو ہے +

تمدّن اسلامی کے قیام کے ذرائع

مگر یہ فرض ادا نہیں ہو سکتا جبتک مندرجہ ذیل طریقے اختیار نہ کئے جائیں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ :۔

۱۔ خیالات میں تبدیلی

اوّل جماعت کے خیالات کو بدلا جائے اور اُسے بتلایا جائے کہ مومن ہونے اور احمدی ہونے کے یہ معنے نہیں کہ تم نے لا الٰہ اِلّا اللہ کہا اور چھُٹی ہوئی۔ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

جبر سے اسلامی احکام پر چلانے کا نام ہی سیاست ہے اور ہمارے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ ہم اس جبر سے کام لیں جب ایک شخص ہمارے پاس آتا ہماری بیعت کرتا اور اپنے آپکو ہمارے سپرد کر دیتا ہے۔ تو لازماً ہمارا حق ہے کہ اگر وہ کسی حکم پر چلنے میں سستی اور غفلت سے کام لے تو اسپر جبر کریں۔ اور اُسے اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اسلامی طریقِ عمل کو اختیار کرے کیونکہ وہ ہمارا ایک حصّہ بنا ہوُا ہے۔ اور اسکی بدنامی سے ہماری بدنامی ہے۔ اور اسکی کمزوری سے ہمارے اندر کمزوری پیدا ہوتی ہے ایسا جبر ہرگز ناجائز نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے اپنی مرضی سے ہم میں شامل ہو کر ہمیں اس جبر کا حق دیا ہے۔ جس طرح کہ بورڈنگ میں داخل ہو کر ایک طالب علم اساتذہ کو خود اپنے پر جبر کا حق دیتا ہے۔ اور کوئی اسپر اعتراض نہیں کرتا۔ ہاں جو اسے ناپسند کرتا ہو وہ پورا آزاد ہے کہ اپنے آپ کو جماعت سے الگ کر لے ٭

شریعت کے اِحیاء کے دو حصّے

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ عملی قدم اُٹھانے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شریعت کے اِحیاء کے دو بڑے حصّے ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق حکومت سے ہے۔ اور ایک وہ جس کا تعلق نظام سے ہے۔ جو امور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے اسلام کا یہ حکم ہے۔ کہ چور کا ہاتھ کاٹو۔ یا اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ قاتل کو ضروری نہیں کہ قتل ہی کیا جائے۔ بلکہ وارثوں کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو اُسے قتل کی سزا دلائیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔ مگر یہ اسلامی حکم چونکہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم انہیں ابھی جاری نہیں کر سکتے۔ پھر اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ جو شخص قاتل ہو اُسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ حکام کی زیرِ نگرانی چاہیں تو خود اُسے قتل کریں۔ لیکن اب گورنمنٹ قاتلوں کو خود پھانسی دیتی ہے اور وارثوں کے سپرد نہیں کرتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وارثوں کے دل میں پھر بھی کینہ اور بغض رہتا ہے اور وہ کسی اور موقعہ پر قاتل کے

کہ کسی سے شیر کی تصویر بدن پر گدوانے گیا تھا۔ جب وہ شیر گودنے لگا۔ اور اس نے سوئی جسم میں داخل کی اور اسے درد ہوئی۔ تو پوچھنے لگا کہ کیا گودنے لگے ہو؟ گودنے والے نے جواب دیا شیر کا دایاں کان۔ اسپر اس نے پوچھا کہ اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو کیا شیر شیر رہتا ہے یا نہیں؟ گودنے والے نے کہا کہ رہتا تو ہے۔ تو اس نے کہا کہ اچھا پھر اسے چھوڑو آگے چلو۔ پھر اس نے دوسرا کان گودنا چاہا۔ تو اسپر بھی اسی طرح گفتگو کی۔ اور اسی طرح ہر عضو پر کرتا گیا۔ آخر گودنے والا کام چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ اور اُس شخص نے حیرانی سے پوچھا کہ اپنا کام کیوں چھوڑ بیٹھے ہو؟ تو گودنے والے نے کہا۔ اس لئے کہ اب شیر کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اسی طرح اگر ہم بھی دیکھیں کہ لوگ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور انہیں چھوڑتے جائیں۔ تو اسلام کا اور جماعت کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ جو لوگ نصیحت سے اپنی اصلاح کرتے ہیں اُنکی نصیحت سے اصلاح کریں۔ اور جو لوگ نصیحت سے اصلاح نہیں کرتے انہیں مجبور کریں۔ کہ یا وہ اپنے وجود سے احمدیت کو بدنام نہ کریں یا پھر تو بہ کر کے باقی جماعت کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور اس کام میں جماعت کو کامل تعاون کرنا چاہیئے۔ اور چاہیئے کہ جماعت اس بارہ میں پوری اطاعت کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ خواہ انہیں اپنا باپ چھوڑنا پڑے یا بیوی چھوڑنی پڑے یا بیٹا چھوڑنا پڑے یا بھائی چھوڑنا پڑے۔

۳۔ کتب تیسرے اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسی کتب لکھی جائیں جن میں اسلام کی اصولی تعلیم یا اصولی تعلیم کی روشنی میں احکام ہوں۔

۴۔ جائز جبر چوتھے اس امر کی ضرورت ہے کہ شریعت کے اجراء میں جائز جبر جسے سیاست کہتے ہیں اس سے کام لیا جائے۔ اور اس امر کا کوئی خیال نہ کیا جائے کہ کسی کو ٹھوکر لگتی ہے یا کوئی ابتلاء میں آتا ہے۔ سیاست کے معنی درحقیقت یہی ہیں۔ کہ اجرائے شریعت کے باب میں جہاں ضرورت ہو اور جس حد تک اجازت ہو جبر سے کام لیا جائے۔ اور علماء اسلام نے اس پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جبر سے ماننے والوں کو جبر سے

۱۰۔ جماعت کے کسی فرد کی کمزوری یا ٹھوکر کا کوئی لحاظ نہیں کرنا چاہئے +

اصلاحِ اعمال کا پہلا قدم عورتوں کو ورثہ دینا

اس سلسلہ میں پہلا قدم اُن امور کی اصلاح ہے۔ جو ظاہر دیا ہر ہیں۔ آج میں ان میں سے ایک امر آپ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو اگر ہم اختیار کریں تو یقیناً ہمارے راستہ میں کوئی روک نہیں صرف لوگوں کی بیدینی۔ ناواقفی۔ اور سُستی اس راہ میں حائل ہے۔ یعنی کسی کے لئے سُستی۔ کسی کے لئے ناواقفی۔ اور کسی کے لئے بیدینی اس مسئلہ پر عمل کرنے میں روک بنی ہوئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آج ہی ہماری ساری جماعت یہ فیصلہ نہ کرلے کہ کل اس میں وہ بدی نہیں ہوگی۔ وہ ایک قومی گناہ ہے جس کا ارتکاب کیا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے ملک میں زمینداروں میں بالعموم ورثہ کے مسئلہ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ آج پچاس سال جماعت احمدیہ کو قائم ہوئے گذر گئے ہیں۔ مگر ابھی تک ہماری جماعت میں لڑکیوں کو اپنی جائیدادوں میں سے وہ حصہ نہیں دیا جاتا جو خدا اور رسول نے انکے لئے مقرر کیا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کہیں بھی اسپر عمل نہیں ہوتا۔ خود ہم نے اپنی والدہ اور بہنوں کو ان کا حصہ دیا ہے اور جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا۔ لیکن جماعت میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اس حکم پر عمل نہیں کرتے۔ اور اپنی لڑکیوں اپنی بہنوں اپنی بیویوں اور اپنی ماؤں کو ورثہ میں وہ حصہ نہیں دیتے جو شریعت نے انکے لئے مقرر کیا ہے۔ مگر میں پوچھتا۔ اس مسئلہ پر عمل کرنے میں کیا روک ہے ؟ سوائے اسکے کہ تم یہ کہو کہ ہمارے ہاں رواج نہیں۔ اس کا اور کوئی جواب تم نہیں دے سکتے مگر کیا پچھلے تمام مسلمان اسپر عمل نہیں کرتے رہے۔ اور کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ آج یوپی کا ہر غیر احمدی تو اسپر عمل کرتا ہے اسی طرح صوبۂ سرحد میں مسلمانوں نے اپنی مرضی سے ایسا قانون بنوایا ہے جسپر چلکر ہر شخص شریعت کے مطابق اپنی جائیداد تقسیم کرنے کے لئے مجبور ہے مگر وہ احمدی جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس زمین کو بدلکر ایک نئی زمین بنائے گا اور اس آسمان کو بدلکر ایک نیا آسمان بنائیگا

رشتہ داروں سے انتقام لینے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لیکن اگر اسلامی حکومت ہو تو گورنمنٹ کے افسروں کی موجودگی میں قاتل کو قتل کرنے کے لئے پہلا موقع مقتول کے رشتہ داروں کو دیا جائیگا۔ ہاں اس بات کا لحاظ ضرور رکھ لیا جائیگا کہ لَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ۔ قتل تو بیشک کرے مگر ظالمانہ رنگ میں قتل نہ کرے بلکہ قتل کے لئے جو قانون مقرر ہے اور جو طریق حکومت کا مجوزہ ہے اس کے مطابق قتل کرے۔ اور اگر وہ کمزور دل والا ہو اور اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو۔ تو گورنمنٹ کو کہہ سکتا ہے کہ میں قتل نہیں کرتا۔ تم خود اسے قتل کروا دو۔ اس طرح وہ بغض دُور ہو جاتا ہے جو حکومت انگریزی کے فیصلوں کے باوجود لوگوں کے دلوں میں باقی رہ جاتا ہے۔ اور آئندہ بہت سے فتنے پیدا کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ پھر بعض دفعہ قاتل کو معاف کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ صورت بھی مقتول کے رشتہ داروں کے اختیار میں ہوتی ہے۔ لیکن بہرحال ان امور میں حکومت ہی دخل دے سکتی ہے عام لوگ دخل نہیں دے سکتے مگر شریعت کے بعض حصے ایسے ہیں کہ باوجود ان کے سیاسی اور نظام کے ساتھ متعلق ہونے کے گورنمنٹ ان میں دخل نہیں دیتی۔ جیسے قادیان میں قضاء کا محکمہ ہے حکومت اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اُس نے خود اجازت دی ہوئی ہے۔ کہ ایسے مقدمات کا جو قابل دست اندازی پولیس نہ ہو آپس میں تصفیہ کر لیا جائے۔ پس اسلامی شریعت کا وہ حصہ جس میں حکومت دخل نہیں دیتی اور جس کے متعلق حکومت نے ہمیں آزادی دی ہوئی ہے کہ ہم اس میں جس رنگ میں چاہیں فیصلہ کریں ہمارا فرض ہے کہ اس حصہ کو عملی رنگ میں اپنی جماعت میں قائم کریں۔ اور اگر ہم شریعت کے کسی حصہ کو قائم کر سکتے ہوں مگر قائم نہ کریں۔ تو یقیناً اس کے ایک ہی معنے ہونگے۔ اور وہ یہ کہ ہم شریعت کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ پس اب اس نہایت ہی اہم اور ضروری مقصد کے لئے ہمیں عملی قدم اُٹھانا چاہیئے جو خدا تعالےٰ نے ہمارے اختیار میں رکھا ہُوا ہے۔

محبت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احیاء کے لئے ہونا۔ بغیر کسی جبر اور اکراہ کے اس امر کے لئے تیار ہے۔ کہ وہ اپنی جائیداد سے اپنی لڑکیوں اور دوسری رشتہ دار عورتوں کو وہ حصہ دیگا جو خدا اور اسکے رسولؐ نے مقرر کیا ہے۔ پس اسوقت چونکہ بحیثیت جماعت آپ لوگوں نے عمل کا اقرار کیا ہے۔ اس لئے یاد رکھیں کہ آیندہ اگر کوئی شخص اسپر عمل نہیں کرے گا۔ تو اس سے قطع تعلق کا حکم دیا جائے گا یا کوئی اور سزا دی جائیگی جو ہمارے امکان میں ہے اور اگر وہ سزا برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوا تو اسے جماعت سے الگ کردیا جائے گا +

۲۔ عورتوں کے حقوق

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ گو اتنی عام تو نہیں مگر چونکہ شریعت کا حکم ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ عورتوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھو۔ اور انکے جذبات کو مسلنے کی بجائے انکی قدر کرو خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ تمہاری ایک سے زائد بیویاں ہوں۔ یہ حکم ہے جو شریعت نے دیا ہے کہ اپنی تمام عورتوں سے یکساں سلوک رکھو۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ یہ حکم اکثر توڑا جاتا ہے۔ اور شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی اور یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ عورت کے سینہ میں دل نہیں بلکہ پتھر کا ٹکڑا ہے۔ اور بعض جگہ تو بلا کسی شرعی حکم کے عورت کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے نہ ملے۔ اور خاوند سمجھتا ہے کہ بیوی کو میرے ماتحت کتوں کی طرح رہنا چاہیئے وہ نادان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ نے عورت کو بھی انسان بنایا ہے اور اسکے اندر بھی جذبات اور احساسات رکھے ہیں۔ کیا وہ خود اس بات کو پسند کرسکتا ہے کہ اسے اپنے ماں باپ سے ملنے اور انکی خدمت کرنے سے روکا جائے اگر نہیں تو اس عورت کے جذبات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ جنکی ایک سے زیادہ عورتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یکساں سلوک نہیں کرتے اور بعض تو اس قدر ظلم کرتے ہیں کہ اپنی بیویوں کو اُن کے ماں باپ

وہ اپنی بیٹیوں اپنی بہنوں اپنی بیویوں اور اپنی ماؤں کو وہ حصہ نہیں دیتا جو شرعاً انہیں ملنا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں زمینداروں کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اس طرح ہماری پیدا کردہ جائیداد دوسرے لوگوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ لیکن جب ساری جماعت اس مسئلہ پر عمل کریگی تو یہ مشکل بھی جاتی رہے گی۔ کیونکہ اس کی جائیداد دوسرے کے قبضہ میں جائیگی تو دوسرے کی جائیداد اسکے قبضہ میں بھی تو آئیگی۔ پس اس مسئلہ پر عمل کرنے میں کوئی حقیقی روک نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں اب وقت آگیا ہے کہ ہر مخلص اقرار کرے کہ آیندہ وہ اسکی پابندی کریگا اور اپنی بیٹی اپنی بہن اپنی بیوی اور اپنی ماں کو وہ حصہ دیگا جو شریعت نے انہیں دیا ہے۔ اور اگر وہ اسکی پابندی کرنے کے لئے تیار نہیں تو وہ ہم سے الگ ہو جائے۔ پس آیندہ پورے طور پر اپنی اپنی جماعتوں میں اسکی پابندی کرائی جائے۔ اور جو لوگ اس مسئلہ پر عمل نہ کریں انکے متعلق غور کیا جائے کہ انکے لئے کیا تعزیر مقرر کی جاسکتی ہے اور اگر کوئی ہماری تعزیر کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو ایسے شخص کو جماعت سے نکال دیا جائے۔ تا آیندہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ تمہارے ہاں شریعت کی ہتک ہوتی ہے +

جماعت احمدیہ سے مطالبہ

اب اس مسئلہ کی اہمیت سمجھانے کے بعد اور یہ ثابت کر دینے کے بعد کہ نئی زمین اور نیا آسمان اسی طرح بنایا جا سکتا۔ جب احیاءِ سنّت اور احیاءِ شریعت کیا جائے۔ میں آج وہ بات کہتا ہوں جو پہلے کبھی نہیں کہی۔ اور میں جماعت سے مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ آپ میں سے جو لوگ اس مسئلہ پر آیندہ عمل کرنے کے لئے تیار ہوں وہ کھڑے ہو جائیں (اسپر تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر لبّیک یا امیرالمومنین لبّیک کہتے ہوئے اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا) دیکھو آج تم میں سے ہر شخص نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ دُکھوں اور تکالیف کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مرضی سے خدا تعالیٰ کی

امانت کمی ہو ویسی ہی وہ پڑی رہے۔ اور جب امانت مانگنے والا آئے اُسے فوڑا دے دیجائے دہلی میں حکیم محمود خاں صاحب کا خاندان نہایت ہی امین خاندان مشہور تھا۔ جب غدر ہُوا ہے اُسوقت لوگ اُنکی ڈیوڑھی میں زیورات اور کپڑوں کی بندھی بندھائی گٹھڑیاں پھینکتے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ مہاراجہ پٹیالہ کے طبیب شاہی تھے۔ اور مہاراجہ پٹیالہ نے ان کے مکان کی حفاظت کے لئے خاص طور پر ایک گارد بھجوا دی تھی۔ اور انگریزوں سے کہہ دیا تھا کہ یہ چونکہ میرے شاہی طبیب ہیں اسلئے انہیں کچھ نہ کہا جائے تو چونکہ اُسوقت ان کا مکان محفوظ تھا اور دوسرے لوگوں کے مکان غیر محفوظ تھے۔ اور پھر وہ نہایت ہی امین مشہور تھے۔ اسلئے لوگ بھاگتے ہوئے آتے اور زیورات اور پارچات کی گٹھڑیاں انکی ڈیوڑھی میں پھینکتے چلے جاتے۔ اور اس امر کی کوئی پرواہ نہ کرتے کہ اُن زیوروں یا کپڑوں کا کیا بنے گا۔ آخر انہی لوگوں میں سے جنہوں نے اسوقت گٹھڑیاں پھینکی تھیں بعض دس دس سال کے بعد آئے اور انہوں نے بجنسہٖ اپنی چیزیں اُن سے لے لیں۔ یہی نمونہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو دکھانا چاہیئے۔ اور ہر احمدی کو امانت میں اتنا مشہور ہونا چاہیئے کہ لوگ لاکھوں روپے اُسکے پاس رکھنے میں بھی دریغ نہ کریں۔ اور ایک احمدی کا نام سُنتے ہی لوگ یہ سمجھ لیں۔ کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اسکے پاس روپیہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ؞

۴۔ مخلوقِ خدا کی خدمت

چوتھا امر جسکی طرف میں خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں مخلوقِ خدا کی خدمت ہے۔ تم کو چاہیئے۔ کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرو اور خود محنت کر کے اپنے گاؤں وغیرہ کی صفائی کرو۔ ہندوستانی شہروں کی سڑکیں اور گاؤں کی گلیاں بالعموم گندی رہتی ہیں ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ ان کی صفائی کی طرف توجہ کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظافت کے متعلق اپنی اُمت کو جو احکام دیئے ہیں۔ وہ اسی صورت میں عملی رنگ میں سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ جب ہم میں سے ہر چھوٹا بڑا اپنے ہاتھ سے کام کرنا عار نہ سمجھے اور صفائی میں مشغول رہے بلکہ جس گاؤں میں احمدیوں کی اکثریت ہو۔ اسے دوسرے دیہات کے مقابلہ میں صفائی میں اس طرح ممتاز ہونا چاہیئے کہ ایک اجنبی شخص بھی جب کسی ایسے گاؤں میں داخل ہو۔ وہ اس کی صفائی اور نظافت

کی خدمت کرنے اور اُن سے ملنے سے بھی روک دیتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی قابلِ شرم حرکت ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں۔ کہ آج ہماری جماعت کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ اسکے افراد عورت کے احساسات کی عزت کریں گے۔ بیشک شریعت مردوں کو بھی بعض حقوق دیتی ہے کیونکہ شریعت نے مرد کو قیّم بنایا ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اُس کے لئے ظلم اور ناانصافی روا ہو جائے۔ پس ہم میں سے ہر شخص کو یہ عہد کرنا چاہیئے۔ کہ یا تو وہ آیندہ دوسری شادی نہیں کریگا اور اگر کریگا تو یا دونوں بیویوں میں انصاف کرے گا۔ اور اگر انصاف نہیں کرسکتا تو پہلی بیوی کو طلاق دے دیگا۔ ورنہ جماعت مجبور ہوگی کہ اگر وہ اپنی بیویوں سے یکساں سلوک نہیں کرتا۔ تو اس سے مطالبہ کرے کہ وہ ان ہر سہ طریق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرے۔ اور اگر وہ کسی طریق کو بھی اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اُسے جماعت سے الگ کر دیا جاے ٭

۳- امانت تیسرا حکم جسکی طرف اسوقت لوگوں کو توجہ نہیں۔ امانت ہے۔ اس کے متعلق بھی جماعت کو یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ آیندہ ہر احمدی پُورا پُورا امین ہوگا۔ اور کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اُنکے پاس کوئی شخص امانت رکھ جاتا ہے تو وہ اپنے حالات کی مجبوری کی وجہ سے اس امانت میں سے کچھ روپیہ ذاتی ضروریات پر خرچ کر لیتے ہیں۔ اور جب امانت رکھنے والا اپنی امانت لینے کے لئے آتا ہے تو بجائے اسکے کہ اُسی وقت اُسے روپیہ دے دیں۔ کہتے ہیں چند دن صبر کریں آپ کا روپیہ مَیں نے خرچ کر لیا تھا مجھے فلاں جگہ سے روپیہ ملنے والا ہے وہ ملتے ہی میں آپ کو ادا کردُونگا۔ اس طرح وہ گو بظاہرا دیانتداری سے امانت کی رقم خرچ کرتے ہیں اور اس رقم کو واپس کرنے کا بھی پختہ ارادہ رکھتے ہیں مگر ہوتے در اصل خائن ہیں۔ امانت کا طریق یہی ہے کہ جیسی کسی نے

اور دوسری تمام باتوں پر حاوی ہے۔ اب یہ علماء کا کام ہے کہ وہ قرآن اور احادیث سے ان مسائل کو نکالیں اور دنیا کے سامنے انہیں کھول کر رکھ دیں۔ پس ہر علم کے متعلق کتابیں لکھی جائیں اور بہت جلد لکھی جائیں تاکہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بلکہ بعض کتابیں سوال و جواب کے رنگ میں لکھی جائیں جیسے پہلے [illegible] وغیرہ کتب لکھیں۔ تا جماعت کا ہر شخص ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرے اور پھر اس کے بعد جماعت کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں پر عمل کرے ۔

بیشک آج ہم وہ کام نہیں کر سکتے جو حکومت اور بادشاہت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر وہ باتیں جو ہمارے اختیار میں ہیں اُنپر آج سے ہی عمل شروع ہو جانا چاہیئے۔ اور پھر آیندہ قریب زمانہ میں جُوں جُوں شریعت کے احکام تفصیل سے لکھے جائیں اُن تمام احکام کو عملی رنگ دیتے چلے جانا چاہیئے۔ اور جماعت انکو یاد کرتی چلی جائے۔ تا یہ نہ ہو کہ وہ صرف چندہ دے کر یہ سمجھ لے کہ اس کا کام ختم ہو گیا۔ بلکہ اسلام کے تمام احکام پر عمل اسکی غذا ہو اور سنت و شریعت کا احیاء اس کا شغل ہو۔ یہانتک کہ دُنیا تسلیم کرے کہ سوائے اُس حصہ کے جو خدا تعالیٰ نے چھین کر انگریزوں کو دے دیا ہے باقی تمام امور میں جماعت احمدیہ نے فی الواقعہ ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین بنا دی ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص جہاں بھی پھر رہا ہو دُنیا اسے دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ یہ بیسویں صدی میں انگریزوں کے پیچھے پھرنے اور مغربیت کی تقلید کرنیوالا ایک شخص ہے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ یہ آج سے تیرہ سو سال پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کی گلیوں میں پھر رہا ہے۔ اے دوستو! مَیں نے خدا تعالیٰ کا حکم آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت کا سوال کوئی معمولی سوال نہیں۔ آپ لوگوں نے اقرار کیا ہے کہ آپ ہر تکلیف اور ہر مصیبت اُٹھا کر بھی اسلام کے احکام پر عمل کرینگے اور اُس تمدّن کو قائم کرینگے جس تمدّن کو قائم کرنے کا اسلام نے حکم دیا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے ہر ایک اپنے عہد پر مضبوطی سے قائم رہے گا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں پر فوراً عمل کرنا شروع کر دے گا۔ جن پر عمل کرنا اسکے اختیار میں ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

کو دیکھتے ہی سمجھ لے کہ یہ احمدیوں کا گاؤں ہے +

۵- احمدیوں کا دار القضاء

پانچویں بات جسکی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ سوائے اُن مقدمات کے جنکو عدالت میں لیجانے کی مجبوری ہو اور جنکے متعلق قانون یہ کہتا ہو کہ انہیں عدالت میں لے جاؤ۔ کوئی جھگڑا عدالت میں نہیں جانا چاہیئے۔ اور ان جھگڑوں کا شریعت کے ماتحت فیصلہ کرانا چاہیئے۔ اور اگر کوئی شخص اس حکم کو نہ مانے تو جماعت کو چاہیئے کہ اُسے سزا دے تاکہ اسکی اصلاح ہو۔ اور اگر وہ سزا برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اُسے الگ کر دیا جائے۔ اسوقت صرف قادیان میں اس بات پر عمل ہوتا ہے مگر میں اب چاہتا ہوں کہ ہر جماعت میں پنچائتی بورڈ بن جائیں جو معاملات کا تصفیہ کیا کریں پس ہر احمدی کو اپنے دل میں یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ آیندہ وہ اپنا کوئی مقدمہ جس کے متعلق گورنمنٹ مجبور نہیں کرتی کہ اُسے انگریزی عدالت میں لے جایا جائے عدالت میں نہیں لیجائے گا۔ بلکہ اپنے عدالتی بورڈ اور اپنے قاضی سے شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرائے گا اور جو بھی وہ فیصلہ کریگا اُسے شرح صدر کے ساتھ قبول کرے گا۔ اور گو اس حکم پر عمل کرانے سے جماعت کا ایک حصہ ضائع ہو جائے تو بھی اسکی پروا نہیں کرنی چاہیئے +

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ وحی نازل ہوئی کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ع۱) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سواری پر کھڑے ہو کر یہ وحی الٰہی سُنائی اور فرمایا یہ خدا کی آخری امانت تھی جو مَیں نے تم تک پہنچا دی۔ پھر آپ نے فرمایا ھل بلّغتُ ؟ کیا خدا کا یہ پیغام مَیں نے تمہیں پہنچا دیا ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کی بلّغتَ یا رسولَ اللہ۔ اے خدا کے رسول آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا میں اپنی امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ مَیں بھی آج اُس امانت سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے سپرد کی گئی تھی سبکدوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ مَیں نے آپ لوگوں کو بتا دیا ہے کہ خدا نے جو تمہیں شریعت دی ہے وہ صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے تک محدود نہیں بلکہ وہ مذہب اور اقتصاد اور سیاست اور معاشرت اور اخلاق اور تمدن اور تہذیب

ہمیں یہ منزل ملی۔ اسی قسم کے فتوحات باہر کی جماعتوں میں بھی رُو نما ہونگے +

دوستوں کو نصیحت پس دوستوں کو چاہیئے کہ وہ دُعاؤں پر زیادہ زور دیں۔ اور خدا تعالیٰ سے ہی کہیں کہ اے خدا تُو نے ہمارے کمزور کندھوں پر وہ بوجھ لادا ہے جو تُو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈالا تھا۔ اے خدا ہمیں اپنی کمزوریوں کا اقرار اور اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔ ہم میں کوئی طاقت نہیں ہم تیری ہی مدد اور تیری ہی نصرت کے محتاج اور سخت محتاج ہیں۔ اے خدا تمام طاقت تجھی ہی کو حاصل ہے تُو اپنے فضل سے ہمارے کمزور کندھوں کو مضبوط بنا۔ ہماری زبانوں پر حق جاری کر۔ ہمارے دلوں میں ایمان پیدا کر۔ ہمارے ذہنوں میں روشنی پیدا کر۔ ہمیں اپنے فضل سے ہمت بلند بخش۔ ہماری سُستیوں اور ہماری غفلتوں کو ہم سے دُور کر اور ہمارے اندر وہ قوتِ ایمانیہ پیدا کر کہ اگر ہماری جان بھی جاتی ہو تو چلی جائے۔ مگر ہم تیرے احکام سے ایک ذرّہ بھی انحراف نہ کریں۔ اے خدا تو ہمیں اپنے فضل سے توفیق دے کہ ہم تیری شریعت کو دُنیا میں قائم کرسکیں تا تیرے دین کی برکات لوگوں کو مسحور کرلیں۔ اور انہیں بھی اس بات پر مجبور کردیں کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں +

دنیا میں انسان جب ایک سبق یاد کرلیا کرتا ہے تو اُستاد اسے دوسرا سبق دیتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جب تم اس سبق کو یاد کرلوگے۔ تو اللہ تعالےٰ دُنیا کی حکومتیں اور بادشاہتیں تمہارے قدموں میں ڈال دیگا اور کہے گا جب تم نے اُن تمام احکام اسلام کو جاری کردیا جن کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں تھی۔ تو آؤ اب میں حکومتیں بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تا جو چند احکام شریعت کے باقی ہیں ان کا بھی عالم میں نفاذ ہو۔ اور اسلامی تمدّن کی چاروں دیواریں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ پس اگر تم میری ان باتوں پر عمل شروع کردو تو اللہ تعالےٰ حکومتوں کو بھی تمہارے سپرد کردے گا اور جو حکومتیں اس کے لئے تیار نہیں ہونگی۔ اللہ تعالےٰ انہیں تباہ کردے گا۔

ہتک کرتے ہیں۔ ان کا منہ تمہارا عملی نمونہ دیکھ کر بند ہو جائے۔ اور تم یہ دعویٰ کر سکو کہ اگر ہم ہتک کرتے ہیں تو دیکھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کن میں زندہ ہیں اور ہر شخص اقرار کرے کہ آپ احمدیوں کے وجود میں زندہ ہیں ؛

تمدن اسلامی کے قیام میں مشکلات

اسکے بعد میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ بہت سے حصے اس تقریر کے ایسے ہیں جنکو مَیں نے بغیر تشریح کے چھوڑ دیا ہے۔ انکی تشریح کسی اور کتاب میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے بیان ہو جائیگی۔ اسی طرح میں علماء سے کتابیں لکھوانے کی بھی کوشش کرونگا۔ البتہ دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اقرار کرنا آسان ہوتا ہے مگر عمل کرنا مشکل۔ کئی لوگ ہیں جنہوں نے یہاں تو اقرار کیا ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اپنی جائداد کا حصّہ دینگے مگر جب گھر پہنچ کر اسپر عمل کرنے لگیں گے تو بیٹے کہینگے کہ ہمارے ابا اپنی جائداد برباد کر رہے ہیں۔ اور اس طرح تمہارے راستے میں کئی روکیں حائل ہونگی پس تم اسوقت ایک پختہ عزم لے کر اُٹھو اور یاد رکھو کہ باتیں کرنا آسان ہوتی ہیں مگر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر عمل کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو اس مسئلہ پر آپنے پہلے ہی عمل کر لیا ہوتا۔ کیونکہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جو آپ لوگوں کے سامنے بیان کیا گیا۔ بلکہ آپ اسے پہلے بھی جانتے تھے۔ لیکن باوجود علم کے عمل نہیں کرتے تھے۔ پس جذبات کی رَو میں جب چاروں طرف سے نعرے لگ رہے ہوں عہد کر لینا آسان ہوتا ہے۔ اور کئی کمزور بھی اس عہد میں شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر جب کام کا وقت آتا ہے تو وہ بہانے بنانے لگ جاتے ہیں اور جماعت کے اُن افسروں کو جو کام پر متعین ہوتے ہیں بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس مَیں جانتا ہوں کہ اسکے نتیجہ میں قسم قسم کے فساد پھیلیں گے اور لوگ افسروں کو بدنام کرینگے۔ انہیں شرارتی اور فسادی قرار دینگے۔ جیسے قادیان میں جب بعض لوگوں کو سزا دی جاتی ہے تو وہ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ نہیں بتاتے کہ اُنہوں نے شریعت کی فلاں بے حرمتی کی تھی جسکی انہیں سزا ملی۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں افسر کی ہم سے کوئی ذاتی عداوت تھی جس کے نتیجہ میں

وہ. نے فرشتوں کو حکم دے دیا ہے کہ جاؤ اور ان کا تختہ الٹ کر حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دو جو میرے اسلام کو دنیا میں رائج کر رہے ہیں۔ پس جو کچھ تم کر سکتے ہو کرو اور سمجھ لو کہ باقی حصہ کو خدا تعالیٰ خود سرانجام دیگا۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی ان طاقتوں کا مشاہدہ کروگے جن طاقتوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ کیا۔ لیکن یہ کام بڑا ہے اور ہم سخت کمزور اور ناتوان ہیں۔ پس آؤ کہ ہم خدا سے ہی دُعا کریں کہ اے خدا تو ہم کو سچا بنا۔ تو ہمیں جھوٹ سے بچا۔ تو ہمیں بُزدلی سے بچا۔ تو ہمیں غفلت سے بچا۔ تو ہمیں نافرمانی سے بچا۔ اے خدا ہمیں اپنے فضل سے قرآن پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرما۔ اور ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو۔ ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ ہمارے بچوں کو اور ہمارے بوڑھوں کو سب کو یہ توفیق دے کہ وہ تیرے کامل متبع بنیں۔ اور اُن تمام لغزشوں اور گناہوں سے محفوظ رہیں۔ جو انسان کا قدم صراط مستقیم سے منحرف کر دیتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں اپنی محبّت پیدا فرما۔ اے ہمارے رب اپنی تعلیم اپنی سیاست اپنے اقتصاد۔ اپنی معاشرت اور اپنے مذہب کی محبّت ہمارے دلوں میں ڈال۔ اُنکی عظمت ہمارے اندر پیدا کر۔ یہانتک کہ ہمارے دلوں میں اُس تعلیم سے زیادہ اور کوئی پیاری تعلیم نہ ہو جو تُو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں دی۔ اے خدا جو تیری طرف منسوب ہو اور تیرا پیارا ہو وہ ہمارا پیارا ہو۔ اور جو تجھ سے دُور ہو اُس سے ہم دُور ہوں۔ لیکن سب دُنیا کی ہمدردی اور اصلاح کا خیال ہمارے دلوں پر غالب ہو اور ہم اس انقلاب عظیم کے پیدا کرنے میں کامیاب ہوں جو تُو اپنے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے۔

اٰمین اَللّٰھُمَّ اٰمین